ندائے محمدی

محرم الحرام (۳۵)- تا- جمادی الاول (۳۶)

مطابق نومبر (۱۴)- تا- مارچ (۱۵)



www.afif.in

مدیر

مولانا ندیم احمد انصاری حفظہ اللہ

باہتمام

الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن انڈیا

ندائے مُحمَّدی

سہ ماہی

مدیر

مولانا ندیم احمد انصاری

alfalahislamicfoundation@gmail.com

www.afif.in

باھتمام

الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن انڈیا

اعتذار

'ندائے مُحمَّدی'

اب سے دو ماہی کے بجائے سہ ماہی کیا جا رہا ہے۔ بعض تکنیکی عوارض کے سبب رسالہ کے شائع کرنے میں تاخیر ہوئی، اس کے لیے معذرت قبول فرمائیں اور رسالہ اور رسالہ کے لیے کام کرنے والوں کے لیے خصوصی دعائیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مشکلات کو آسان فرمائے۔ آمین

ادارہ

مشمولات

مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
اداریہ		
منشیات کے خاتمہ کے لیے	مولانا ندیم احمد انصاری	۵
قرآن و سنت		
محرم الحرام و عید میلاد النبی ﷺ	مولانا ندیم احمد انصاری	۱۰
مضامین		
حسنِ اخلاق؛ ایک خاموش دعوت	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی	۲۶
دین صرف عبادات کا نام نہیں	مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	۳۴
کیسے ہوئی تعزیوں کی شروعات	ایس اے ساگر	۴۳
اونٹ کے دودھ اور پیشاب سے علاج	مولانا نجیب سنبھلی قاسمی	۵۰
اسلام کی اشاعت میں جبر و اکراہ کا دخل؟	مولانا اسرار الحق قاسمی	۶۰
گوڈبیحہ کے نام پر ڈابھیل میں خوف و دہشت	شکیل رشید	۸۶
زبان و ادب		
گوئٹے کی نظم 'نغمہ محمدی'.....؛ ایک تجزیہ	حسنین عاقب خان	۹۶
تعارف		
تلاوتِ قرآن کے فضائل و مسائل	مفتی جسیم الدین قاسمی	۱۰۹
منظومات		
کہاں جاؤں تیرے در کے سوا	مولانا ندیم احمد انصاری	۱۱۱

(وضاحت: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے۔ عدالتی چارہ جوئی ممبئی کی ہی عدالت میں ہوسکتی ہے۔)

اداریہ

منشیات کے خاتمہ کے لیے مربوط کوششوں کی ضرورت

مولانا ندیم احمد انصاری

ڈائریکٹر الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا و مدیر 'ندائے محمدی'

گذشتہ چند دنوں سے کچھ اس طرح کی خبریں پڑھنے کا اتفاق ہوا، جن سے خیال ہوتا ہے کہ ملک کو منشیات سے پاک کرنے کی کوشش اب عوامی اور حکومتی سطح پر کی جارہی ہے۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ اب اس مسئلہ کے خاتمہ کے لیے علاقائی سطح پر کوششوں اور اقدامات کا تہیہ کیا گیا ہے، اسی کے ساتھ ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ ہم اس نیک کام شروعات اپنے قرب وجوار سے کریں۔ نہایت حیرت وافسوس کا مقام ہے کہ آج کے ''پڑھے لکھے'' دور میں بھی دنیا بھر میں منشیات استعمال کرنے والے افراد کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ اس کی اصل وجہ ہمارے نزدیک---اس وسیع منافع بخش تجارت--- کو حکومتی سطح پر ملنے والی حمایت ہے۔ یہ بات اس لیے کہی گئی کہ منشیات وجرائم پر نگاہ رکھنے والی اقوام متحدہ کے ادارہ یونائٹیڈ نیشنز آف ڈرگس اینڈ کرائم (UNODC) نے اپنی 2008 کی سالانہ رپورٹ میں وضاحت کی تھی کہ ''ہندوستان وجنوبی ایشیا چرس اور گانجہ جیسے منشیات کی غیر قانونی پیداوار کا سب سے بڑا مرکز ہے۔'' اور یو این او ڈی سی (UNODC) کا کہنا تھا کہ ''جنوبی ایشیا کے بیشتر ملکوں نے منشیات کے غیر قانونی کاروبار اور اس کے مختلف پہلوؤں پر ابھی تک کوئی جامع سروے نہیں کیا ہے۔ بھارت سرکار اس سلسلہ میں ایک سروے کی تیاری کررہی ہے،

شاید اس کے بعد اس لعنت کی صحیح تصویر ابھر کر سامنے آسکے۔'' اسی موقع پر اقوام متحد کے نمائندے اشیتا متل نے کہا تھا کہ ''منشیات کی اس لعنت پر مشترکہ کاروائیوں کے ذریعہ قابو پایا جاسکتا ہے..... اس سے کوئی ایک ملک ہی متاثر نہیں ہوتا بلکہ اس سے متعدد ممالک متاثر ہوتے ہیں''۔ مضمون نگار کا بھی خیال یہی ہے کہ اس لعنت کے مکمل خاتمہ کے لیے مربوط کوششوں کی ضرورت ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں 25 کروڑ سے زائد افراد مختلف اقسام کی منشیات استعمال کر رہے ہیں، جب کہ ہر سال ان کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ مَردوں کے ساتھ ساتھ اب خواتین کی بھی بڑی تعداد اس کا شکار ہوتی نظر آنے لگی ہیں۔ منشیات کے اسباب پر غور کرنے سے اس کے مندرجہ ذیل محرکات سمجھ میں آتے ہیں؛ (۱) غم غلط کرنا۔ نشہ کرنے والوں کے زعم کے مطابق، ایسا کرنے کے بعد ان کے تمام غموں کا مداوا ہو جاتا ہے۔ (۲) جنسی کزوری کو دور کرنا۔ جب کہ اطباء کی مطابق چند دن نشہ کے استعمال سے جنسی کزوری پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس میں ایسے کیمیلکز ہوتے ہیں، جو ہارمونز اور غدود کو متاثر کر کے سینے کے امراض پیدا کرتے نیز جنسی طاقت کو ہمیشہ کے لیے کم کر دیتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو نعمتوں سے ڈھانپ رکھا ہے، جس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان پر اُس کریم مولا کی نعمتیں بارش کے قطرات کی طرح برس رہی ہیں۔ اسی لیے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اگر تم ہماری نعمتوں کو شمار میں لانا چاہو، تو نہیں لا سکتے'' (النحل:18) اس کے باوجود ان نعمتوں کی کما حقہ تو کجا عشر عشیر بھی قدردانی نہیں کرتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جن نعمتوں سے حضرت انسان کو نوازا ان میں ایک عظیم نعمت عقل وخرد بھی

ہے، جس سے انسان مفید ومضر اور اچھے برے کی پہچان کرسکتا ہے۔لیکن مشاہدہ اس کے خلاف ہی ہے، کیوں کہ انسان اس عظیم نعمت کو بھی مفید کاموں میں کم ہی استعمال کرتا ہے۔ آج کا یہ دور--- جسے 'عقلاء'--- ترقی یافتہ دور کہتے ہیں؛ بدقسمتی سے انسانی سماج کے مسائل کی ترقی کا دور ہے۔منشیات بھی اس سماج کے مسائل میں ایک بڑا مسئلہ ہے۔

خیال رہنا چاہیے کہ شراب، چرس، افیون، ہیروئین اور نکوٹن وغیرہ--- سب ہی منشیات کے زمرہ میں آتے ہیں۔علاوہ ازیں بعض ایسی ادویہ بھی اس زمرے میں شامل ہو جاتی ہیں، جنھیں انسان لَت کے طور پر عادتاً بے جا استعمال کرتا ہے اور جو انسان کی عقل کو بے قابو کردیتی ہیں۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اے ایمان والو! شراب، جُوا، بُت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام، شیطان کے اعمال میں سے ہیں، سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ''۔(المائدۃ:90) معلوم ہوا اس آیت میں ان تمام چیزوں کو 'رِجس' کہا گیا ہے۔ 'رجس' عربی زبان میں ایسی گندی چیز کو کہا جاتا ہے، جس سے انسان کی طبیعت کو گھِن اور نفرت پیدا ہو۔یہ چاروں چیزیں ایسی ہیں کہ اگر انسان ذرا بھی عقل سلیم اور طبع سلیم رکھتا ہو تو خود بخود ہی ان چیزوں سے اس کو گھِن اور نفرت ہوگی۔(معارف القرآن:۳/۲۲۶) اس آیت میں اصل مقصود دو چیزوں کی حرمت اور مفاسد کا بیان کرنا ہے؛ یعنی شراب اور جُوا۔ انصاب یعنی بُتوں کا ذکر اس کے ساتھ اس لیے ملایا گیا کہ سننے والے سمجھ لیں کہ شراب اور جوئے کا معاملہ ایسا سخت جُرم ہے، جیسے بُت پرستی۔(ایضا:227) اسی کے ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ قرآن کریم کا مذکورہ بالا حکم صرف شراب کے نشے سے ہی متعلق نہیں، بلکہ اس میں ہر وہ چیز شامل ہے، جو نشہ طاری کردے۔اسی لیے فاروقِ اعظمؓ نے ایک موقع پر جمعہ

کے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا؛ ''خمر کے معنی کسی چیز کو ڈھانپ دینا یا پردہ ڈال دینا اور خمر سے مراد ہر وہ چیز ہے، جو عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ اصل میں منشیات کا سب سے خطرناک حملہ دماغ پر ہوتا ہے اور پھر دھیرے دھیرے اس سے پورا جسم متاثر ہوتا ہے۔ اعضاء رئیسیہ کے ساتھ ساتھ معدہ، جگر اور گردے پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ جو لوگ ان چیزوں کے عادی ہوتے ہیں، ان چیزوں کا اثر اُن پر ایک خاص مدت تک ہی رہتا ہے اور اس کے زائل ہوتے ہی انسان کو پھر اس کی طلب ستانے لگتی ہے۔ وہ اس کے حصول کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور جب ان کی یہ طلب آسانی سے پوری نہیں ہوتی، تو وہ اس کی تکمیل کے لیے بہت سے غلط راستوں --- چوری، ڈکیتی، قتل و غارت گری --- تک کو اپنانے سے گریز نہیں کرتے۔

آج کل سگریٹ نوشی کا تو اس قدر رواج ہو چلا ہے کہ اسے بُرا تو کیا سمجھا جاتا بلکہ فیشن تصور کیا جانے لگا ہے۔ اس میں ایک مزید برائی یہ بھی ہے کہ اس کا نقصان صرف سگریٹ پینے والے ہی کو نہیں ہوتا، بلکہ اس کے آس پاس موجود لوگ بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ کیوں کہ جب سگریٹ پینے والا سگریٹ کا کش لے کر سانس چھوڑتا ہے، تو اس کے اردگرد کے لوگوں کو لامحالہ اسی دھنویں کو اپنے جسم میں داخل کرنا پڑتا ہے۔ پھر ایسا بھی نہیں کہ سگریٹ نوشی سے انسان کے صرف پھیپھڑے ہی متاثر ہوتے ہیں، بلکہ اس کی قیمت تمام اعضاء کو چکانی پڑتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ یہ تمام اشیاء ان اشیاء کی خرید و فروخت ان خطرناک تصاویر کی جاتی ہے، جو کہ ان کا نتیجۃً لاحق ہو سکتی ہیں۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا دین اسلام میں نشہ کی سخت مذمت و ممانعت کی گئی ہے،

لیکن مسلم علاقوں میں بھی اس کے عادی پائے جاتے ہیں اور اللہ کے فضل سے شراب و چرس ،گانجہ کے تو کم لیکن سگریٹ ونکوٹین کے عادی تو گھر گھر میں مل جاتے ہیں۔پُلوں اور سڑکوں کے کناروں پر ایسے بہت سے افراد نظر آجاتے ہیں،جن کا اس بستی میں کوئی شناسا نہیں ہوتا اور وہ کسی کے شناسا نہیں ہوتے۔وہ بس تنہا یا اپنے جیسوں کے ساتھ چرس وگانجہ میں مست رہتے ہیں اور بستی سے اُن کے کھان پان کا بھی انتظام ہوتا رہتا ہے۔ہمیں نہایت استعجاب ان لوگوں پر ہے جو اپنے اہل خانہ اور بڑوں کے سامنے سگریٹ نوشی کرنے سے ذرا عار محسوس نہیں کرتے اور اس وقت تو ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ جب یہ 'بڑے' اس پر چُپّی سادھے رہتے ہیں۔ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم اس معاملے میں کچھ کرنا چاہتے ہیں،تو شروعات اپنے آس پاس سے ہی کرنی ہوگی۔

☆☆☆



کتاب و سنت

محرم الحرام: قرآن وسنت کی روشنی میں

مولانا ندیم احمد انصاری

ڈائریکٹر الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ ۔اللہ کے نزدیک مہینے گنتی میں بارہ ہیں، اس روز سے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اللہ کی کتاب میں سال کے بارہ مہینے لکھے ہوئے ہیں، ان میں سے چار مہینے ادب کے ہیں۔ (سورۃ التوبہ: 36)

ادب واحترام والے مہینے

یہ جو ارشاد فرمایا گیا: ﴿مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے (ادب کے) ہیں۔ ان کو حرمت والا دو معنی کے اعتبار سے کہا گیا۔ ایک تو اس لیے کہ ان میں قتل وقتال حرام ہے، دوسرے اس لیے کہ یہ مہینے متبرک اور واجب الاحترام ہیں، ان میں عبادات کا ثواب (دیگر ایام کے بالمقابل) زیادہ ملتا ہے۔ ان میں سے پہلا حکم تو شریعت اسلام میں منسوخ ہوگیا، مگر دوسرا حکم احترام وادب اور ان میں عبادت گزاری کا (خصوصی) اہتمام، اسلام میں بھی باقی ہے۔ حجۃ الوداع کے خطبۂ یوم النحر میں رسولِ کریم ﷺ نے ان مہینوں کی تشریح یہ فرمائی کہ تین مہینے (تو) مسلسل ہیں؛ ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام اور

ایک مہینہ رجب کا ہے۔(معارف القرآن:4/372)

چار مہینوں کی عبادت کا ثواب

تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں اس پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں؛ ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام اور رجب المرجب میں ہر عبادت کا ثواب اور دنوں سے زیادہ ہوتا ہے اور ان میں اگر کوئی گناہ کرے، تو اس کا وبال اور عذاب بھی زیادہ ہے۔(معارف القران:4/370)

امام جصاصؒ نے احکام القران میں فرمایا:اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے، اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے۔اسی طرح جو شخص کوشش کرکے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور برے کاموں سے بچالے، تو سال کے باقی مہینوں میں اس کو ان برائیوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔اس لیے ان مہینوں سے فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے۔(معارف القرآن:4/372-373، احکام القرآن:3/163)

ماہِ محرم کے پہلے عشرہ کی فضیلت

علامہ ابن رجبؒ فرماتے ہیں: ہمارے اسلاف، تین عشروں کی بہت عظمت ولحاظ کرتے تھے۔(۱) رمضان المبارک کا آخری عشرہ۔(۲) ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور (۳) محرم الحرام کا پہلا عشرہ۔نیز فرماتے ہیں: بعض نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیس دن کے بعد چالیس دن کی تکمیل کے لیے جن دس دنوں کا اضافہ کیا تھا، وہ یہی محرم الحرام کے دس دن تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دس محرم الحرام کے دن باری تعالیٰ

سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آگے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے محرم الحرام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی، یہ اس کے شرف اور خصوصی فضیلت پر دال ہے۔ (لطائف المعارف:81-80)

محرم میں تقریبات کا حکم

شیعہ حضرات اس مبارک ومحترم مہینہ کو منحوس سمجھتے ہیں، اس وجہ سے کہ (شاید) ان کے نزدیک شہادت بہت بری اور منحوس چیز ہے اور چونکہ اس مہینہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی ہے، اس لیے وہ اس ماہ میں کوئی تقریب اور خوشی کا کام وغیرہ نہیں کرتے۔ اس کے برعکس اہلِ سنت والجماعت کے ہاں یہ مہینہ محترم، معظم اور فضیلت والا ہے، جیسا کہ ثابت ہوا۔ اس لیے اس میں نیک کام بہت زیادہ کرنے چاہئیں۔ نکاح وغیرہ خوشی کی تقریبات بھی اس میں زیادہ کرنی چاہئیں، اس میں شادی وغیرہ کرنے سے برکت ہوگی۔ لیکن یہ بڑی بات ہے۔ اس لیے کہ بہت دنوں سے یہ غلط باتیں کوٹ کوٹ کر دلوں میں بھری ہوئی ہیں۔ سو سال کا رام بھرا ہوا جلدی سے نہیں نکلتا، وہ تو نکلتے نکلتے ہی نکلتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ:1/388-389، بتغیر)

معلوم ہوا، محرم الحرام میں نکاح کو معیوب سمجھنا درست نہیں ہے، حضور ﷺ کا اپنا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محرم میں ہوا اور اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محرم ہی میں ہوا۔ (اشرف الفتاویٰ:1/45)

ماہِ محرم میں روزہ کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رمضان کے بعد افضل ترین روزے اللہ تعالیٰ کے مہینے ''محرم'' کے ہیں۔(رواہ مسلم:1163، واللفظ لہ، وابوداؤد:2429، والترمذی:740)نعمان بن سعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپؓ رمضان کے علاوہ مجھے کس مہینہ میں روزے رکھنے کا حکم فرماتے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اس کے متعلق ایک آدمی کو رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے سنا، میں اس وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے رمضان کے علاوہ کون سے مہینے میں روزے رکھنے کا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم رمضان کے بعد روزہ رکھنا چاہو تو محرم کے روزے رکھا کرو، کیونکہ یہ اللہ کا مہینہ ہے۔اس میں ایک ایسا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی تھی اور اسی دن دوسری قوم کی توبہ قبول کرے گا۔(ترمذی:741)ایک روایت میں ہے کہ جس نے محرم الحرام کے مہینہ میں ایک دن کا روزہ رکھا، اس کو ہر ایک روزہ کا ثواب تیس روزوں کے ثواب کے بقدر دیا جائے گا۔(الترغیب والترہیب للمنذری:1503)

عاشوراء کا پسِ منظر

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: قریش زمانۂ جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا، تا آنکہ رمضان کے روزے فرض ہوگئے، (تو یومِ عاشوراء کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی) اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (اب) جس کا جی چاہے یومِ عاشوراء کا روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔(بخاری:1893، 1592، مسلم:1125)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھا، تو آپ ﷺ نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے بتایا کہ یہ ایک نیک اور اچھا دن ہے، اسی دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن یعنی فرعون سے نجات دی تھی، اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا: پھر ہم موسیٰ سے تمھاری بنسبت زیادہ قریب ہیں اور اس کے تم سے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا۔ (بخاری:2004، مسلم:1130) اس سے قبل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت گزر چکی کہ مشرکینِ قریش زمانۂ جاہلیت ہی سے اس دن روزہ رکھتے تھے، غالباً یہ کسی نبی اللہ کی باقیات میں سے ہوگا اور رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے انصار کو بھی اس کا حکم دیا تھا۔ روایتوں میں یہ بھی ہے کہ عیسائی بھی اس دن روزہ رکھتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ شریعتوں میں اس دن کا روزہ مشروع تھا۔ (تفہیم البخاری:1/780)

عاشوراء کے روزہ کی فضیلت واحکام

رسول اللہ ﷺ سے عاشوراء کے روزے کے متعلق دریافت کیا گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: عاشوراء کا روزہ، گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے۔ (مسلم:1162، ابو داؤد:2425) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: جب آنحضرت ﷺ نے یومِ عاشوراء میں روزہ رکھنے کو اپنا اصول ومعمول بنایا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا، تو بعض صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس دن کو تو

یہود ونصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (گویا یہ ان کا قومی ومذہبی شعار ہے) اور خاص اس دن ہمارے روزہ رکھنے سے ان کے ساتھ اشتراک اور تشابہ ہوتا ہے، تو کیا اس میں کوئی ایسی تبدیلی ہوسکتی ہے، جس کے بعد یہ اشتراک اور تشابہ والی بات باقی نہ رہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انشاءاللہ جب آئندہ سال آئے گا تو ہم نویں محرم کو بھی روزہ رکھیں گے.... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لیکن آئندہ سال ماہِ محرم آنے سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ وفات پاگئے۔ (مسلم:132، ابن ماجہ:1736)

اسی لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ اور اس کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد یعنی نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنا مستحب ہے، اور صرف عاشوراء کا روزہ رکھنا مکروہِ تنزیہی ہے، اس لیے کہ اس میں یہود کی مشابہت ہے۔ (شامی:3/302 وانظر نصب الرایہ:2/456)

البتہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں: ہمارے زمانہ میں چونکہ یہود ونصاریٰ وغیرہ یومِ عاشوراء کا روزہ نہیں رکھتے، بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا، اس لیے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں۔ لہٰذا فی زماننا رفعِ تشابہ کے لیے نویں یا گیارھویں کے روزے کی ضرورت نہ ہونی چاہیے۔ (معارف الحدیث:4/387 بتغیر)

یہ بھی خیال رہے کہ ان روایات میں جن گناہوں کی معافی کا ارشاد اور وعدہ ہے اس سے مراد صغائر ہیں، باقی کبیرہ گناہوں کی معافی کی بھی امید رکھنی چاہیے۔ مگر ان احادیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کے بھروسہ پر گناہ کرنے لگے، بلکہ گناہوں پر نادم ہو اور

پاکباز رہنے کی کوشش کرتا رہے، تو یہ چیزیں انشاء اللہ مددگار ثابت ہوں گی۔

عاشوراء کے دن اہل وعیال پر وسعت

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص عاشوراء کے دن اپنے اہل وعیال پر رزق میں وسعت کرے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ پورے سال اس کے رزق میں برکت ووسعت فرمائیں گے۔ (شعب الایمان:3795)

یومِ عاشوراء میں مسلمان کیا کریں؟

شیخ الفقہاء ومحدثین شیخ شہاب الدین ابن حجر ہیثمی مصری، مفتی مکہ معظّمہ نے اپنی تالیف صواعق محرقہ میں یومِ عاشوراء کے ضمن میں لکھا ہے:

لوگو! اچھی طرح سمجھ لو کہ عاشوراء کے دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ مصائب سے دوچار ہوئے اور آپ کی شہادت اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کے مراتب ودرجات کی رفعت کا ثبوت ہے۔ اس شہادت کے ذریعہ اہلِ بیتِ اطہار کے درجات بلند کرنا بھی اللہ کو منظور تھا۔ اس لیے عاشوراء کے دن جو شخص مصائب کا تذکرہ کرے، تو اسے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے میں مشغول رہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے ثواب کا مستحق ہوسکے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اُولٰئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ﴾ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے رحم وکرم ہوتا ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔ عاشوراء کے دن انا للّٰہ الخ پڑھتے رہے، یا بڑی سے بڑی نیکی روزہ رکھنے کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول نہ ہو۔ (ما ثبت بالسنۃ:7)

عاشوراء کہ موقع سے لوگوں نے جو بہت سی واہی تباہیں باتیں ایجاد کر رکھی ہیں، علامہ ابن تیمیہؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں: اس سلسلہ میں نہ حضرت نبی کریم ﷺ سے کوئی صحیح حدیث وارد ہوئی ہے اور نہ کسی صحابی سے (کوئی اثر)۔ اسے ائمہ مسلمین، بشمول ائمۂ اربعہؒ و غیرہم نے مستحب گردانا ہے اور نہ کسی مستند کتاب میں اس کا تذکرہ منقول ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ، صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ سے اس کے متعلق کوئی روایت نہیں۔ نہ صحیح، نہ ضعیف۔ نہ کتبِ صحاح میں اس کا ذکر ہے اور نہ کتبِ سنن میں، اور خیر القرون سے بھی ایسی کوئی روایت معلوم نہیں ہوتی (جن میں ان کا تذکرہ ہو)۔ (مجموع الفتاویٰ: 25/299)

اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه

وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه

☆☆☆



کتاب و سنت

عید میلاد النبی ﷺ: قرآن وسنت کی روشنی میں

مولانا ندیم احمد انصاری

ڈائریکٹر الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا

لفظی اعتبار سے ہر اس دن کو عید کہتے ہیں جس میں کسی بڑے آدمی یا کسی بڑے واقعہ کی یاد منائی جائے۔ بعض نے کہا کہ عید کو عید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ہر سال لوٹ کر آتی ہے۔ (المنجد: ۶۹۰، معجم الوسیط: ۶۳۵) 'عید' کو عید کہنا ایک طرح کی نیک فالی اور اس تمنّا کا اظہار ہے کہ یہ روزِ مسرّت بار بار آئے۔ (قاموس الفقہ: ۴۱۹/۴) اور 'عید میلاد النبی ﷺ' کے متعلق صاحبِ فیروز اللغات فرماتے ہیں ''عید میلاد النبی ﷺ کا مطلب ہے، پیغمبرِ اسلام کی ولادت کا دن۔'' (فیروز اللغات: ۹۰۸)

ولادتِ نبوی ﷺ کی صحیح تاریخ

تمام مؤرخین اور اصحابِ سیر کا اس پر تو اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادتِ با سعادت پیر کے دن ہوئی، البتہ تاریخ میں شدید اختلاف ہے۔ ۲، ۸، ۹، ۱۰، اور ۱۲ تاریخیں بیان کی گئی ہیں اور وفات کے سلسلے میں ۱۲ ربیع الاول کو جب کہ ولادت کے سلسلے میں ۹ ربیع الاول کو ترجیح دی گئی ہے۔ شاید اسی لیے لوگوں کی زبانوں پر لفظ ''بارہ وفات'' کا رہتا ہے اور جشن عید میلاد النبی ﷺ کا مناتے ہیں۔ (دیکھئے رحمۃ للعالمین: ۳۵/۱، سیرۃ النبی ﷺ للنعمانی

:۱/۱۰۹،سیرۃ المصطفیٰ للکاندھلوی:۱/۵۱،موسوعۃ نضرۃ النعیم:۱/۱۹۵،خطاتِ سیرت:۸۳)

یومِ ولادتِ نبوی ﷺ

یومِ ولادتِ نبوی ﷺ یعنی اس عظیم الشان شخصیت کا جنم دن، جسے تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ وہ دن واقعی بڑی ہی عظمت و برکت کا حامل تھا۔ اس لیے کہ اس مبارک دن میں رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ اس عالمِ رنگ و بو میں تشریف لائے۔ اگرچہ شریعت نے سالانہ آقا کے یومِ ولادت کو ''منانے'' کا حکم نہیں دیا نہ اسے عید ہی قرار دیا، نہ ہی اس کے لیے کسی قسم کے مراسم مقرّر کیے، لیکن جس سال ماہِ ربیع الاول میں یہ دن آیا تھا، وہ نہایت ہی متبرک اور پیارا دن تھا۔ آج جو لوگ اس دن کو ''عید'' کے نام سے یاد کرتے ہیں وہ اصلاً رسولِ خدا ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں، اس لیے کہ خود ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ''اللہ تعالیٰ نے دیگر قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کے لیے عید کے دو دن مقرّر کیے ہیں: (۱) عید الفطر اور (۲) عید الاضحیٰ''۔ یہ ارشاد اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا تھا جب کہ آپ نے اہلِ مدینہ کو دوسرے دنوں میں زمانۂ جاہلیت کے طرز پر عید و خوشی مناتے دیکھا۔ (ابوداود:۱۳۳۴،نسائی:۱۵۵۷)

اس سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہو گیا کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ماننے والوں کے لیے سالانہ صرف دو دنوں کو عید کے طور پر مقرر فرمایا، اس کے علاوہ بعض روایتوں میں جمعہ کے دن کو بھی عید کہا گیا ہے، اس کے علاوہ کسی دن کے متعلق عید کا لفظ وارد نہیں ہوا۔ اب اگر کوئی اس پر زیاتی کر کے اپنی طرف سے مزید ایک دن بڑھاتا اور اس میں عید جیسی خوشیاں

مناتا ہے،تو وہ گویا رحمۃ للعالمین ﷺ کے اس ارشادِ عالی پر عدم رضامندی کا اظہار کرتا ہے،اور جو اسے دین کا حصہ سمجھتا ہے،وہ اپنی طرف سے نیا دین تراشتا ہے،اور یہ دونوں ہی طریقۂ عمل نہایت خطرناک ہیں۔

عید میلا دالنبی ﷺ کی ابتداء

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

یہ مروجہ مجلسِ میلا د قرآن کریم سے ثابت ہے نہ حدیث شریف سے۔نہ خلفاءِ راشدین و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے نہ تابعین وائمہ مجتہدینؒ؛امام اعظم ابو حنیفہؒ،امام مالکؒ،امام شافعیؒ،امام احمدؒ وغیرہ سے ،نہ محدثین ؛امام بخاریؒ،امام مسلمؒ،امام ابو داودؒ،امام ترمذیؒ،امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہؒ وغیرہ سے اور نہ اولیاءِ کاملین؛ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ،خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ،خواجہ بہاءالدین نقشبندیؒ اور شیخ عارف شہاب الدین سہروردیؒ وغیرہ سے۔چھ صدیاں اس امت پر اس طرح گزر گئیں کہ اس مجلس کا کہیں وجود نہیں تھا۔سب سے پہلے بادشاہ اربل نے شاہانہ انتظام سے اس کو منعقد کیا اور اس پر بہت مال خرچ کیا،پھر اس کی حرص واتباع میں وزراء وامراء نے اپنے اپنے انتظام سے مجالس منعقد کیں،اس کی تفصیل ''تاریخ ابن خلکان'' میں موجود ہے۔

اسی وقت سے علماءِ حق نے اس کی تردید بھی لکھی ہے،چنانچہ ''کتاب المدخل'' میں علامہ ابن الحجاج نے بتیس صفحات میں اس کے قبائح ومفاسد دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں لکھ ہیں۔۷۳۷ھ میں اس کی تصنیف سے فراغت حاصل ہوئی،پھر جہاں یہ مجلس

پہنچتی گئی، وہاں کے علماء تردید فرماتے رہے۔ چنانچہ عربی، فارسی اور اردو..... ہر زبان میں اس کی تردید موجود ہے اور آج تک تردید کی جا رہی ہے۔ (فتاوی محمودیہ جدید: ۳/ ۲۱۳-۲۱۴ بتغیر)

بریلوی عالم کا اعتراف

بریلوی حضرات کے ایک عالم قاضی فضل احمد صاحب لکھتے ہیں: ''یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ اس مخصوص شکل سے یہ عملِ خیر و برکت و نعمت ۶۰۴ھ سے جاری ہے''۔ (مروجہ محفلِ میلاد: ۵۲ ملخصاً)

عیدِ میلاد کا حکم

اس سے بعض لوگ اس غلط بات کی طرف چلے جاتے ہیں، گویا کہ ہم ذکر نبوی ﷺ کو منع کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! نفسِ ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا، بلکہ ذکرِ ولادت آپ ﷺ کا مثل ذکر دیگر سیر و حالات کے مندوب ہے۔ (البراہین القاطعۃ علی ظلام انوار الساطعۃ: ۱۴) لیکن اس زمانہ میں مجالسِ میلاد بہت سے منکرات و ممنوعات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے شرعاً ممنوع ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸۱/۳ جدید محقق) بالفاظِ دگر میلادِ مروجہ و قیام مروج جو امورِ محدثہ، ممنوعہ کو مشتمل ہے، ناجائز اور بدعت ہے۔ (عزیز الفتاویٰ: ۱۲۲)

یومِ ولادتِ نبوی ﷺ یقیناً باعثِ خوشی اور اظہارِ مسرت کا سبب ہے، لیکن اس تاریخ میں ہر سال اگر یہ دن 'منانے' کا ہوتا، تو اس کے متعلق احکامات و ہدایات شریعتِ مطہرہ میں کثرت سے وارد ہوتیں۔ یہ خیال رکھنے کی بات ہے کہ یہ دن حضور ﷺ اور صحابہ

کرامؓ کے سامنے بھی تھا، تو جب خود حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اس خوشی کا اظہار مروجہ طریقہ پر نہیں کیا اور ''عیدِ میلاد'' نہیں منایا، تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شریعت میں اظہارِ خوشی کا یہ طریقہ درست نہیں، ورنہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ اس پر عمل کر کے اس کا جواز ضرور بتلاتے۔ یہی ایک دلیل مروجہ میلاد کے غیر درست ہونے کے لیے کافی ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾.

آج میں نے تمھارے لیے دین کو کامل ومکمل کر دیا (اب اس میں کسی طرح کمی بیشی کی نجائش نہ رہی) اور تم پر اپنا انعام مکمل کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوگیا۔ (سورۃ المائدۃ:۳)

نیز ارشادِ رسول ﷺ ہے: جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کرے، جو دین میں سے نہیں ہے، وہ مردود ہے۔ (بخاری:۲۶۹۷، مسلم:۶۷۱۸)

ایک دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تم میری سنّت کو لازم پکڑو اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدین کی سنّت کو لازم پکڑو، اسے کو ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑے رہو اور دین میں نئی باتیں ایجاد کرنے سے بچو، کیوں کہ دین میں پیدا کی گئی ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (ابو داود:۴۶۰۷، ترمذی:۲۶۷۸، ابن ماجہ:۴۲)

کیا رسول اللہ ﷺ کا بس یہی حق امت پر ہے کہ سارے سال میں صرف ایک دن

اور وہ بھی صرف تماشہ کے طور پر، آپ ﷺ کا ذکرِ مبارک جھوٹے سچے رسالوں سے پڑھ دیا اور پھر سال بھر کے لیے فارغ ہوکر آئندہ بارہ وفات اور عیدِ میلاد کے منتظر ہوکر بیٹھ گئے۔ افسوس! مسلمانوں کا فرض تو یہ ہے کہ کوئی دن آپ ﷺ کے ذکرِ مبارک سے خالی نہ جائے، البتہ یہ ضروری نہیں کہ فقط ولادت کا ہی ذکر ہو، بلکہ کبھی آپ ﷺ کی نماز کا، کبھی آپکے روزے کا، کبھی جہاد کا، اور کبھی آپ کے اخلاق واعمال کا، جو کہ سب سے زیادہ اہم ہیں۔ کبھی ولادتِ با سعادت کا بھی ہو کہ یہ بھی باعثِ خیر و برکت ہے۔ (جواہر الفقہ: ۹۱/۴، امداد المفتیین: ۱۶۳)

محبت کی علامت بھی یہی ہے کہ محبوب کی ہر بات کا ذکر ہو، ولادتِ شریفہ کا بھی، سخاوت اور عبادت کا بھی۔ اس میں کسی مہینہ اور تاریخ اور مقام کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ دوسرے وظیفوں کی طرح روزمرہ اس کا وظیفہ ہونا چاہئے۔ یہ نہیں کہ سال بھر میں مقررہ تاریخ پر یومِ میلاد منا لیا جائے اور اس کے بعد کچھ نہیں۔ حالاں کہ حضور ﷺ کا ذکرِ مبارک تو غذا ہے، ہر وقت ہونا چاہئے، اس میں وقت کی تخصیص کی کیا ضرورت؟ (الفضائل والاحکام: ۱۱۱، امداد الفتاویٰ: ۱۸۷/۱)

اس پوری تفصیل سے واضح ہوگیا کہ محفلِ میلاد میں اگر کوئی تاریخ معین اور ضروری نہ سمجھی جائے، شیرینی اور روشنی وغیرہ کو ضروری نہ سمجھا جائے، غلط روایات نہ پڑھی جائیں، نظم پڑھنے والے بے ریش نہ ہوں، اور گانے کی طرح نہ پڑھیں، اسی طرح دوسری بدعات سے خالی ہو، تو مضائقہ نہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۲۴۹/۵، وانظر نظام الفتاویٰ، حصہ دوم: ۱۶۵/۱)

غرض یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا ذکرِ مبارک جب کہ ان رسوم و بدعات سے خالی ہو تو

ثواب اور افضل ہے، اور اگر مروجہ طریقہ پر رسوم وبدعات سے بھرا ہو تو نیکی برباد گناہ لازم ہے۔ جیسے کوئی بیت الخلاء میں جاکر قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگے۔ (جامع الفتاویٰ: ۵۵۲/۲، فتاوی عثمانی: ۱۱۹/۱)

المختصر! ہم مسلمان ہیں اور ہمیں اپنی خوشی اور غمی، ہر حالت میں شریعت کی اتباع کرنا واجب اور ضروری ہے اور شریعت میں امرِ مندوب پر اصرار کرنا اور واجب کی طرح اس کا التزام کرنا اتباعِ شیطان ہے۔ (عزیز الفتاویٰ: ۱۴۲ بتغیر)

'اہلِ حدیث' علماء کا موقف

جناب مولانا مفتی ابو محمد عبدالستار صاحب فرماتے ہیں:

ہیئتِ مروجہ کے ساتھ مجلسِ میلاد کا انعقاد از روئے کتاب وسنت قطعاً حرام اور بدعت بلکہ داخل فی الشرک ہے، کیوں کہ اس کا ثبوت نہ تو خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، نہ کسی صحابیؓ سے، نہ کسی تابعیؒ سے۔ غرض قرونِ ثلاثہ میں اس کا وجود بالکل مفقود ہے، نہ ازمنہ ائمہ اربعہ میں اس کا پتہ لگتا ہے، بلکہ ساتویں صدی میں یہ بدعت بجانب خود ایجاد کی گئی ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ: ۶۴/۱)

جناب مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں:

ہم مجلسِ میلاد کو کارِ ثواب نہیں جانتے۔ اس لیے کہ زمانۂ رسالت وخلافت میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ آگے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: مولود کی مجلس ایک مذہبی کام ہے، جس پر ثواب کی امید ہوتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی کام پر ثواب کا بتلانا شرع شریف کا کام ہے، اس لیے کسی کام پر ثواب کی امید رکھنا، جس پر شرع شریف نے ثواب نہ بتلایا

ہو،اس کام کو بدعت بنا دیتا ہے۔مولود کی مجلس بھی اسی قسم سے ہے، کیوں کہ شریعتِ مطہرہ نے اس پر ثواب کا وعدہ نہیں کیا،اس لیے ثواب سمجھ کر تو یقیناً بدعت ہے، رہا محض محبت کی صورت، یہ بھی بدعت ہے۔کیوں کہ رسول ﷺ سے محبت کرنا بھی ایک مذہبی حکم ہے،جس پر ثواب کی امید ہے۔پس جس طریق سے شرع شریف نے محبت سکھائی ہے،اس طریق سے ہوگی تو سنّت ،ورنہ بدعت۔(فتاویٰ ثنائیہ:۱/۱۱۹)

مفتی اعظم مکہ مکرمہ کا فتویٰ

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ فرماتے ہیں:

مسلمانو کے لیے ۱۲ ربیع الاول کی رات یا کسی اور رات میلاد النبی ﷺ کی محفل منعقد کرنا جائز نہیں ہے۔بلکہ نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور کی ولادت کی محفل منعقد کرنا بھی جائز نہیں ہے۔کیوں کہ میلاد کی محفلوں کا تعلق ان بدعات سے ہے، جو دین میں نئی پیدا کر لی گئی ہیں۔نبی کریم ﷺ نے اپنی حیاتِ پاک میں کبھی اپنی محفلِ میلاد کا انعقاد نہیں فرمایا تھا،حالاں کہ آپ ﷺ دین کے تمام احکام کو بلاکم وکاست ،من وعن پہنچانے والے تھے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے مسائلِ شریعت کو بیان فرمانے والے تھے۔آپ ﷺ نے محفلِ میلاد نہ خود منائی اور نہ کسی کو اس کا حکم دیا۔یہی وجہ ہے کہ خلفاءِ راشدین ،حضراتِ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں سے کسی نے کبھی اس کا اہتمام نہیں کیا تھا،الخ۔(مقالات وفتاویٰ:۶/۴۰۱ اردو)

اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه

وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه

☆☆☆

تعلیماتِ اسلام

حسن اخلاق؛ خاموش دعوت و پیغام

(مدارس اور اس سے وابستہ لوگوں کے لئے خاص تحریر)

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

پرنسپل مدرسۃ العلوم و مدیر 'ندائے اعتدال' علی گڑھ

ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک میں مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی آبادی ہے، سرکاری اعداد و شمار کے مطابق مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۲۰ فیصد ہے، ویسے کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد ۳۰ فیصد اور کم از کم یقینی طور پر ۲۵ فیصد تو ضرور ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ اتنی بڑی آبادی کے باوجود یہاں مسلمانوں کے خلاف تعصب کا ماحول پایا جاتا ہے، یہاں کی فضا میں نفرت و عداوت اور ناپسندیدگی کی بو آتی ہے، تلخیاں ہوتی ہیں، زیادتیاں ہوتی ہیں غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں، اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، روز نئے نئے مسائل کھڑے ہوتے ہیں، جن میں سے اکثر غلط فہمیوں اور نفرتوں کی وجہ؛ آپسی میل جول کی کمی اور حد سے زیادہ دوری ہے، دعوتی کردار کا مفقود ہونا تو بڑا سبب ہے ہی ساتھ ہی اخلاقی اقدار کی پاسداری نہ کرنا بھی مہلک ثابت ہو رہا ہے، اس سلسلہ میں ماضی کی کوتاہیوں، تلخیوں اور زیادتیوں سے قطع نظر مجھے سطور ذیل میں حال پر گفتگو کرنی ہے۔

ذرا اس حقیقت پر بھی نظر ڈالتے چلیے کہ اسلام کی اشاعت با جماع مورخین محض اخلاق سے ہوئی ہے، تاریخ کے ہر اس دور میں جس میں کہ مسلمانوں کو عروج ہوا تو اس کا

سبب یہی رہا کہ ان کے حسن اخلاق نے ان کے لئے دلوں کو فتح کرنے کی راہ ہموار کی ہے، پروپیگنڈہ کرنے والوں نے بہت جتن کیے کہ اسلام کی اشاعت میں تلوار کے جور و جبر کو بہت دخل ہے لیکن اس پروپیگنڈے کو باطل قرار دینے کے لئے بسا اوقات انہیں کی صف میں سے لوگ کھڑے ہو گئے اور یہ صدا دہوا

؎ پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

اسلام کے فلسفۂ اخلاق نے اس تریاق کام کیا جس کے استعمال سے زندگی کی ضمانت یقینی ہے، اس کی مقناطیسی قوت نے ملکوں کو نہیں، قوموں کو نہیں دلوں اور دماغوں کو فتح کیا، نبی پاک علیہ السلام اخلاق کے اس مرتبہ پر فائز ہوئے کہ قرآن نے آپ کے اخلاق کو ''خلق عظیم'' کی سند عطا کی، صحابہ کرام نے اسی کو اپنی شخصیت کیلئے سامان زینت سمجھا، ان کے 'حسن خلق' کے سبب دلوں کی فتح ہوتی گئی، دماغ مسحور ہوتے گئے اور اسلام پھیلتا اور پھولتا رہا حتی کہ عالم رنگ و بو کا کوئی گوشہ نہ رہ گیا جہاں اسلام کی صدائے بازگشت سنائی نہ پڑے۔

اس سے پہلے کہ میں مقصد تحریر کی طرف آؤں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ''حسن خلق'' یعنی اچھے اخلاق، اعلیٰ اخلاق اور حسن سلوک کی تشریح بنیادی طور پر یہ ہے کہ آدمی نیکیوں کو انجام دے، بشاشت وجہ کا مالک ہو اور دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے گریز کرتا ہو، حضرت عبداللہ بن مبارک نے 'حسن الخلق' کی یہ بہت جامع، محیط اور مختصر سی تشریح فرمائی ہے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان ہی تین چیزوں پر 'حسن اخلاق' کی عمارت تعمیر ہوتی ہے، بشاشت وجہ سے انسان ہزار غموں کو فنا کر سکتا ہے، دوسروں کے مرض کی دوا محض ایک مسکراہٹ سے فراہم کر سکتا ہے، ہزار بدگمانیوں اور عداوتوں کو ایک تبسم کے تیشہ سے قتل کر سکتا

ہے اور نیکی کی عادت اسے مقبول عند اللہ اور قبولیت عام عطا کر سکتی ہے، اس لیے کہ پھر وہ مساوات برتنے کا عادی، ایثار کا خواہاں و دلدادہ، عفو و درگذر کی صفت سے متصف، غصہ پر قابو پانے والا، دوسروں کو آگے بڑھانے والا اور قدرت کے باوجود معافی کا اعلان کرنے والا، اپنے حق سے دست بردار ہونے والا اور جانے کیا کیا اور کیسی کیسی عطر بیز و مشک آمیز ایسی عمدہ صفات کا حامل ہوگا جن پر نبوی اخلاق کا عکس ہو، اللہ تعالیٰ بھی ایسے ہی لوگوں کو پسند فرماتا ہے، ان سے محبت کرتا ہے، ﴿والكظمين الغيظ والعافين عن الناس والله يحب المحسنين﴾۔ (آل عمران:۱۳۴) حسن خلق پھر اس کے اقسام و شعبوں پر اگر سیرت سے واقعات نقل کیے جائیں اور صحابہ کی زندگیوں کے نمونے درج کیے جائیں اور احادیث سے وضاحت کی جائے تو بات بہت تفصیلی ہو جائے گی اور مقصد یہاں تفصیل نہیں بلکہ ایک امر ناگزیر اور کربناک صورت حال کی طرف اشارہ کرنا ہے، اس لئے بس یہ سمجھنا کافی ہوگا کہ حسن خلق وہ نعمت عظمی ہے جس کو ایک عظیم الشان صفت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے بڑے پرشکوہ اسلوب میں قران میں یوں نقل کیا ﴿انك لعلى خلق عظيم﴾ اور زبان رسالت نے اس کی اہمیت کو یوں واضح کیا ما من شئ أثقل فى ميزان المؤمن يوم القيامة من حسن الخلق.. (ترمذی) کہ بندہ مومن کے نامۂ اعمال میں روز قیامت حسن خلق سے زیادہ قیمتی اور وزن دار کوئی چیز نہیں ہوگی، اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کوئی شخص نبوی اخلاق کو اپناتا ہے اور حسن الخلق کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے تو وہ اسلام کا عملی شارح و مبلغ ہوتا ہے، اس کے اخلاق و عادات خاموش انقلاب کے داعی ہوتے ہیں، اس کی سچائی، امانت و دیانتداری، حسن سلوک و وفا شعاری لوگوں کے لئے حسن ظن اور اسلام سے

قریب ہونے کا سبب بنتی ہے، ایک خوشگوار فضا ہموار کرنے میں ایسا شخص بنیادی کردار ادا کرتا ہے، پھر جتنے لوگوں میں یہ خصائل حسنہ منتقل ہوتے ہیں، جتنے لوگ اسلام سے قریب ہوتے ہیں اور اسلام کی روح ان میں اترتی ہے، اس کی حلاوت کی لذت سے شادکام ہوتے ہیں، یا جتنے لوگ اسلامی اخلاقیات سے متأثر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوتے ہیں ان سب کے اعمال خیر میں اس کو حصہ ملنا یقینی ہے، ظاہر ہے کہ تبسم ریزیوں سے دل جیت لینا کچھ مشکل تو نہیں، جذبۂ تعاون کا اظہار بہت چھوٹے چھوٹے کاموں کا طالب ہے، جھوٹ سے نفرت کا اظہار اور سچ کی بالادستی وافادیت کو ظاہر کرنا بہت آسان ہے، اور اگر نفع کا ذریعہ بننا مشکل ہو تو ایذا رسانی سے باز رہنا اور اس کا بہ تقاضۂ حکمت اظہار کرنا تو بہر حال آسان ہے، ان آسانیوں کے ذریعہ عملی طور پر اسلام کے مطالعہ کی دعوت دینا اور اس کے متعلق پروپیگنڈہ اور نفرتوں کو دور کرنا یقیناً بہت آسان ہے اور شاید ان ہی آسانیوں کے سبب زبان رسالت نے حسن الخلق کو سب سے زیادہ جنت میں داخل کرنے والی چیز بتایا ہے۔۔۔سئل رسول اللہ ﷺ عن اکثر ما یدخل الناس الجنۃ قال تقوی اللہ وحسن الخلق.... (ترمذی)

لیکن صد افسوس کہ جو لوگ اس تعلیم سے بہرہ ور ہوتے ہیں جسمیں اسلامی اخلاق ہی نہیں بلکہ اسلام کا فلسفۂ اخلاق تک شامل ہوتا ہے وہ عملی طور پر حسن الخلق کے مظاہرے سے معذور ہوتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں اتنی بڑی تعداد میں مدارس اسلامیہ ہونے کے باوجود غیر قوموں سے وہی دوری وخلیج ہے جو ان ممالک میں ہے جہاں بر صغیر جیسے کسی مدرسہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، وجہ چاہے جو بھی ہو لیکن حقیقت یہی ہے کہ ہم

نے اپنی دعوت وتحریک اور تمام تر کوششوں کو اپنی قوم تک محدود کر لیا ہے، اگر غیر قوموں کو ہم عملی طور پر دعوت اسلام نہیں دے سکتے یا ایسا کرنے کی پوزیشن میں نہیں (بعض لوگوں کا خیال ہے) تو کم از کم اسلامی اخلاق کے مظاہرے سے انہیں قریب تو کیا جا سکتا ہے اور اسی قربت سے بے شمار دوریوں اور نفرتوں کو ختم کیا جا سکتا ہے، لیکن کیا کیجئے اس حرماں نصیبی کا جو ہماری زندگیوں کا لازمی حصہ بن گئی ہے، ''حسن الخلق'' کی تعلیم تو ہم عام کرتے ہیں، اس کی تشریح میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتے ہیں لیکن بذات خود بسا اوقات بھری گرمی میں آنے والے ہانپتے ہوئے شخص کی سوکھی زبان تک نظر نہیں جاتی، کوئی ضعیف سامنے لڑکھڑا رہا ہو تو خود کو اسے سہارا دینے کا مکلّف نہیں سمجھتے، ہمیشہ دوسروں کا سلام لینے کے منتظر رہتے ہیں، خدمت لینے کے تو عادی ہیں لیکن خدمت کرنے کی کبھی توفیق نہیں ہوتی، ملازموں اور ماتحتوں کے ساتھ سلوک تو بس کیا کہیے!! شخصیت اور مناصب کا ایسا طرہ کہ کمزوروں اور غریبوں کو اور ان کی اولادوں کو بسا اوقات تو انسان بھی نہیں سمجھا جاتا موروثیت اور خاندانی نظام کی ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے تمام تر اخلاقیات کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے، حالانکہ ہر زندہ آنکھ محسوس کر رہی ہے کہ ہر تحریک وتنظیم اور ادارے کے زوال میں اس نظام کی چاہت کا بڑا دخل ہے، اور حد تو یہ ہے کہ غیبتوں کی لعنت، فریب ودھوکہ اور جھوٹ کی عادت، چغلخوری اور تملق اور حسد وجلن جیسے کبائر کو بعض عبادتوں کی خوبصورت چادر میں لپیٹ کر اپنے آپ کو دیندار ثابت کیا جاتا ہے، لیکن کیا پتہ کہ ایسے ہی مرصع سجدے کبھی کبھی کفر کا بھی بہانہ بن جاتے ہیں، عبادتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور بالخصوص اس کی تشریح کرتے ہوئے یہ بات خوب ملحوظ رکھنی چاہیے کہ ''حسن الخلق'' خود عبادت میں شامل ہیں، ایک طرف اسلام

کا وسیع دامن پھر لفظ عبادت کی وسعت ہر اس اچھی بات اور اچھی عادت کو عبادت بنا دیتی ہے جو خود خیر یا خیر کا ذریعہ ہو، انسان جو بھی خیر کے اعمال انجام دیتا ہے وہ ایک قسم کی عبادت ہے، عمل صالح کی یوں تو بنیادی تقسیم عبادات، اخلاق، معاملات کے علحدہ عنوان قائم کر کے کی گئی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر اخلاق و معاملات واقعی اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوں تو وہ بھی عبادت ہیں، اور نبی پاک ﷺ کی سیرت وسنت میں ہم کو ان تینوں کی دلکش و دلآویز اور اعلیٰ، مثالی قولی وعملی تشریح ملتی ہے، جس کا پرتو اگر ہماری زندگی پر پڑے تو اس سے نہ صرف اپنی زندگی منور ہو بلکہ اس سے منور زندگی کے نور سے اسلام کی کرنیں پھوٹیں اور ان کرنوں سے جانے کتنی زندگیاں آباد و منور ہو جائیں۔

ہندوستان کی صورت حال کو ذہن میں رکھیے اور الحمدللہ اس کے طول وعرض پر پھیلے ہوئے مدارس اسلامیہ کے جال کو دیکھیے جو سیرت رسول کے امین، قرآن وسنت کے محافظ اور پاسبانِ دین و دعوت ہیں، جہاں شمائل نبوی کا درس ہوتا ہے، جو اسلامی تشخص کی حفاظت کرتے ہیں، لیکن کیا یہ واقعہ نہیں کہ مدرسہ سے متصل آبادی بھی ان کے قول وفعل سے متاثر نہیں ہوتی بلکہ ایسی خلیج ہوتی ہے کہ آبادی والوں سے اہل مدارس کا رابطہ بھی نہیں ہوتا اور ارباب مدارس سے ملاقات یوں بھی مشکل !! غیروں کی تو چھوڑیے اپنے بھی بیگانے ہوتے ہیں، جبکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جو مدرسہ جہاں واقع ہوتا وہ واقعی منارۂ نور ہوتا، اس کے قرب و جوار اور اطراف میں وہاں کے طلبہ واساتذہ کے شوقِ خدمتِ خلق اور حسن اخلاق کے مظاہروں سے مسلمان تو مسلمان بنتے !! ساتھ ہی غیر مسلم بھی دیکھنے آتے، مل بیٹھتے اور قریب آ کر دیکھتے، بہ چشم دل سیرتِ اسلام، سلوکِ اسلام، صدقِ اسلام اور حقیقتِ اسلام کا مشاہدہ

کرتے لیکن افسوس کہ یہ مراکز بھی دیگر تحریکوں اور دینی رنگ رکھنے والی جماعتوں کی طرح اپنے خول میں قید اور اپنی محدود افادیت میں محصور ہوگئے، چند روایات کی پاسداری اور حفاظت اسلام اور خدمت دین کے نام پر پیوندکاری ان کا وظیفہ ہوگئی، ان کی افادیت سے غیر مسلم تو دور خود مسلمان بھی محروم رہنے لگے، بات تلخ ضرور ہے لیکن مشاہداتی حقائق پر مبنی ہے، تلخ بات میں اکثر سامان عبرت ہوتا ہے، لیکن ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم اپنے مخصوص پیمانے سے بات کی تلخی کو ناپنا شروع کردیتے ہیں البتہ اس سبق کی طرف توجہ نہیں ہوتی جس کے سبب یہ تلخ حقیقت منظر عام پر آتی ہے، بہر حال زندگی ہے تو تلخیاں تو سہنی پڑیں گی، آج ہمارے مدارس میں اخلاقی وفکری تربیت کا جو فقدان ہے اس سے انکار گویا حقیقت کا انکار ہے، اگر مدارس کی چہار دیواری کے اندر واقعی حسن اخلاق کا مظاہرہ ہو تو طلبہ واساتذہ راستوں میں، اسفار میں، اپنے اپنے علاقے میں، خود مدارس کے آس پاس اور عام مقامات (Public Places) پر اسلام کی خاموش اور عملی دعوت بن کر نمودار ہوں اور خاموش انقلاب کا نقطۂ آغاز قرار پائیں، لیکن صد افسوس وہ رذائل وکبائر جن کی اصلاح کا بیڑا اہم خود اٹھائے ہوئے ہیں خود ہماری مجلس کا وہ ناگزیر حصہ ہیں، جھوٹ، غیبت، بدگمانی، تہمت والزام تراشی بے پناہ آپسی چپقلش، ذرا ذرا سی بات پہ رنجش، نظریاتی اختلاف کی بنیاد پر دینی، سماجی اور ترقیاتی کاموں میں راہ کا روڑا بننا، تعاون علی البر کا فقدان، بددیانتی، دروغ گوئی کی اس قدر ہمارے یہاں کثرت ہے کہ گویا ''حسن الخلق'' صرف تعلیم وتعلم کے لئے ہی خاص ہے، حقیقت اور عملی زندگی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کیوں کہ اپنی ہی کوتاہی اور متضاد تصویر کی منظر کشی مقصد نہیں، بلکہ یہ وضاحت کرنا

مقصد ہے کہ ہمارے اس عملی تضاد (جس کے مشاہدات و واقعات لاتعداد ہیں) کے سبب ہمارا دعوتی کردار نہ صرف داغدار ہوتا ہے بلکہ اب وہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آج ہندوستان کے طول وعرض پر تقریباً تعداد میں یہ مدرسے پچیس ہزار ہوگئے لیکن غیر مسلموں سے قربت نہ ہوسکی، نہ ہی انہیں دین کی دعوت دی جاسکی اور نہ عملی طور پر اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا جاسکا، بلکہ آخری اور سچی وافسوسناک بات یہ ہے کہ خود اپنے آپ کو مکمل اسلامی زندگی سے نہ آراستہ کیا جاسکا، اسلامی اخلاقیات تحریر وتقریر کے لیے خاص ہوکر رہ گئیں، عملی زندگی میں ہم کسی سے کم نہ رہے، شاید اسی لیے حکیم مشرق نے ماتم کرتے ہوئے اپنی حسرت کا یوں اظہار کیا تھا۔

اٹھا میں مدرسہ وخانقاہ سے نمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

☆☆☆



تعلیماتِ اسلام

دین صرف عبادات کا نام نہیں

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی
وادی مصطفیٰ شاہین نگر، حیدرآباد

ہماری غلط سوچ، دین کے تعلق سے صحیح عدمِ واقفیت، مسلم معاشرے کے ذہن ودماغ پر مغربی تہذیب اور اس کے غلط اثرات کے چھاجانے، مزید برآں ہماری کسل مندی، سست روی، دین بیزاری، دنیا کی اندھی ہوس اور تڑپ نے ہمیں یہ باور کرایا ہے کہ دین محض عبادات کا نام ہے، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج یہی چیزیں عبادت واطاعت اور احکامِ خداوندی کی بجا آوری تصور کئے جاتے ہیں، معاشرت، معاملت اور اخلاقیات ان تمام شعبہائے حیات کو دین کی فہرست سے بالکل خارج کردیا گیا ہے، ان تمام شعبہ جات اور ان سے متعلق شرعی احکامات کی پاسداری، ان سے ضروری لگاؤ، وابستگی اور ان کا خاص اہتمام یہ دین کے مخصوص لوگوں کا کام تصور کیا جاتا ہے، جوجبہ، قبہ، شرعی داڑھی اور اسلامی لباس وہیئت کے حامل ہوں، یہی افراد ان تمام شعبہ جات کی مکمل رعایت کا اہتمام کریں، اور اس حوالے سے کسی قسم کی کمی یا کوتاہی پر وہی لعنت وملامت اور پوچھ گچھ کے مستحق ٹھہریں، بقیہ دنیا دار طبقہ؛ جس نے اسلامی معاشرت کا لبادہ اپنے اوپر سے بالکل کرنکال پھینک دیا ہے، حالانکہ وہ بھی بزعم خود مسلمانی کے دعویدار ہیں۔

محض دنیا کے ساز وسامان اوراس کی حقیر اور چندروزہ پونجی کے اکھٹا کرنے کو اپنا مطمح نظر اور خلاصۂ حیات بنایا ہوا ہے، خواہ ان کی معاشرت، لوگوں کے ساتھ برتاؤ، بڑوں چھوٹوں کی رعایت انکے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام، پاس پڑوس، گھربار کے ساتھ ان کا رویہ کس قدر اذیت رساں اور تکلیف دہ کیوں نہ ہو وہ معاملات میں کس قدر کذب بیانی، دروغ گوئی، دھوکہ دہی، دغابازی، جھوٹ، ملاوٹ، چوری چکاری سے کیوں نہ کام لیں، یہ چیزیں ان کے حق میں معیوب اس وجہ سے نہیں گردانی جاتیں اور وہ خود اس حوالے سے اپنے لئے یوں سندِ جواز فراہم کرلیتے ہیں کہ ہم تو ''عامی'' ہیں، حالانکہ یہ تصور بالکل غلط ہے کہ دین کا مخصوص طبقہ ہی ان شعبہ جات کا اہتمام والتزام کرے یا محض عبادت کا نام دین ہے، معاشرت، معاملت اور اخلاقیات سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، بلکہ ان تمام شعبہ جات کو شرعی ڈھنگ ورنگ کے ساتھ ادا کرنا بجائے خود دین شمار ہوتا ہے، اس کیلئے بس تھوڑے سے طریقۂ کار کو بدلنے کی ضرورت ہے، اس میں تھوڑی سی دقت ضرور ہوگی، بظاہر دنیوی نقصان بھی نظر آئے گا، کہیں اپنے نفس کے خلاف امور بھی درپیش ہوں گے، مگر ان شعبہ جات کو دینی رنگ وآہنگ عطا کرنے کا دوہرا فائدہ یہ ہوگا کہ دنیا بھی بن جائے گی، آخرت بھی سنور جائے گی اور عزت ووقار اور مقبولیت والی زندگی بھی نصیب ہوگی۔

دین کی اس فراخ دلانہ تقسیم کی مثال کسی بزرگ نے یوں بیان کی ہے کہ ہمارا مطمح نظر یہ ہو کہ ہر شعبہ سے متعلق شخص کو اس کا دین دیں، کسی کو اس کے پیشے سے الگ نہ کیا جائے، بلکہ اس کے متعلقہ پیشے کو ہی دینی رنگ میں رنگ دیا جائے، پائیلٹ کو پائیلٹ کا دین دیں، کاشت کار کو کاشت کار کا دین اور تاجر کو تجارت کا دین، غرضیکہ دین یہ ہے کہ ہر شخص دیگر

فرائض کے اہتمام کے ساتھ اس شعبہ سے متعلق شرعی احکامات کی پاسداری کرے، اس طرح اس کا یہ پیشہ اختیار کرنا اور اس کیلئے جدوجہد اور کوشش کرنا یہ تمام چیزیں سَراسَر دین بن جائیں گی۔

تجارت اور کسب حلال کی اہمیت

تجارت بھی اگر احکام شرعیہ کی پابندی اور اصولِ تجارت کی رعایت واہتمام کے ساتھ ہو تو بجائے خود یہ پیشۂ تجارت کسب حلال کی سعی وکوشش کی تحت سراسر دین بن جائے گا، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسبِ حلال کو بھی دیگر فرائض اسلام (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کی طرح ایک فریضہ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں ''رزق حلال کی تلاش وجستجو بھی دیگر فرائض اسلام کی طرح ایک فریضہ ہے''۔ (مشکوٰۃ ۲۴۲)

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی کمائی اچھی ہے؟ فرمایا ''آدمی کی اپنے ہاتھ کی کمائی، اور ہر مقبول خرید وفروخت یعنی جس میں خرید وفروخت کے تمام احکامات کی پاسداری کی گئی ہو، دھوکہ دہی، کھوٹ اور خیانت وغیرہ کا اس میں دخل نہ ہو۔ (مشکوٰۃ ۲۴۲)

کسب حلال کی اسی اہمیت اور مال حرام کے نقصان کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جو جسم حرام غذا سے پرورش پاتا ہے وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ (مشکوٰۃ ۲۴۳)

ابن عمر فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ایک کپڑا دس درہم میں خریدا ہو اور اس میں ایک درہم حرام بھی شامل ہو جب تک وہ شخص یہ کپڑا زیب تن کئے ہوئے ہوتا ہے، اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، پھر فرماتے ہیں: اگر میں نے حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نہ سنا ہوتو میرے

دونوں کان بہرے ہوں۔(مشکوٰۃ ۲۴۳) اس روایت سے بھی اسلام میں کسب حلال کی اہمیت اوراس کی عبادت کی قبولیت میں تاثیر بخوبی سمجھ میں آتی ہے۔

ایک موقع سے نبی کریم ﷺ نے سچے امانت داراوراحکام شرعیہ کے پاسدارتاجر کی فضیلت اوراس کے پیشہ تجارت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے یوں فرمایا: ''سچا،امانت دار تاجر کا شمار، انبیاء،صدیقین اورشہداء کے ساتھ ہوگا۔(مشکوٰۃ ۲۴۳) اسی بارے میں مزید فرماتے ہیں: تجار کا شمار روزِمحشر فجّار میں ہوگا،سوائے ان تاجروں کے جو پاکیزگی اختیار کرتے ہوں،حسن معاملت اورسچائی کواپناتے ہوں۔(مشکوٰۃ ۲۴۴)

دراصل ان روایات کے ذکر سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ کسبِ حلال کیلئے پیشۂ تجارت کا اپنانا اگرتمام حلال وحرام کی امور کی رعایت اور دیگر فرائض کے اہتمام کے ساتھ ہوجیسا کہ مذکورہ بالاآخری حدیث خصوصاًاس بات کی نشاندہی کرتی ہے یہ تجارت بھی عبادت شمار ہوگی۔

نکاح اورحسنِ معاشرت بھی عبادت ہے

نکاح بھی اگرعفت وپاکیزگی اورحصولِ اولاد کی نیت سے کیا جائے، بوقت نکاح شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ بے جارسوم ورواج سے بچاجائے، اوربعدِ نکاح، نکاح کے حقوق، اہل وعیال کے ساتھ حسنِ معاشرت اورحسنِ سلوک کا معاملہ کیا جائے اوراس کے ساتھ ساتھ دیگرفرائض خداوندی میں بھی کسی قسم کا خلل واقع نہ ہوتو یہ عملِ نکاح اور عائلی زندگی اوراس کی تمام جدوجہد مکمل عبادت بن جائے گی۔

اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے نکاح کونصف ایمان کی تکمیل کا ذریعہ فرمایااورنصف

باقی (یعنی دیگر احکامِ خداوندی کی بجا آوری) کے بارے میں اللہ عزوجل سے ڈرنے کی تاکید کی۔ (مشکوٰۃ ۲۶۸)

مطلب یہ ہے کہ تمام احکام شرعیہ کی پابندی واہتمام کے ساتھ یہ عمل نکاح اور اس کے ساتھ اس کے بعد والی تمام عائلی زندگی بھی عبادت کے دائرہ میں آجائے گی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر آپ ﷺ نے شوہر اور بیوی کے درمیان وظیفۂ زوجیت کی ادائیگی کو بھی (جب کہ وہ دونوں اس سے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل خواہی ہوتے ہیں) صدقہ کے مانند عبادت قرار دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''ہر تسبیح (سبحان اللہ) صدقہ ہے، ہر تکبیر (اللہ اکبر) صدقہ ہے، ہر تحمید (الحمداللہ) صدقہ ہے، ہر تہلیل (لا الہ الا اللہ) صدقہ ہے ہر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صدقہ ہے، اور تمہارا اپنی بیوی کے ساتھ وظیفۂ زوجیت میں مشغول بھی صدقہ ہے، صحابہؓ نے عرض کیا؛ اے اللہ کے رسول اگر کوئی اس سے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کا ارادہ رکھتا ہو تو کیا یہ بھی باعث اجر ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر یہ شخص اپنی اس ضرورت کی تکمیل حرام جگہ (اجنبیہ) سے کرتا تو یہ کیا اس کیلئے گناہ کا باعث نہ ہوتا؟ ایسے ہی جب اس نے حلال جگہ سے اپنی اس خواہش کی تکمیل کی ہے تو یہ اس کیلئے باعث اجر ہوگا۔ (مشکوٰۃ ۱۶۸)

غرض یہ کہ نکاح بھی اگر اس سے عفت اور پاکیزگی اور نیک اولاد کا حصول مقصود ہو اور یہ عمل نکاح دیگر فرائض کی ادائیگی کیلئے حارج نہ بنے تو یہ خود عبادت بن جائے گا، اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے ہمارے امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کو کہ انہوں نے عمل نکاح کو مسنون قرار دے کر دیگر نفلی عبادت کی مشغولی سے بہتر، نکاح اور اس کے متعلقات کی مشغولی کو بتلایا

ہے اور اس طرح انہوں نے عبادت کا ایک بڑا پہلو بھی عمل نکاح میں تلاش کرلیا ہے۔

حسن اخلاق بھی دین کا ایک شعبہ ہے

حسن اخلاق، لوگوں کے ساتھ محبت ومروت، احسان وسلوک، دوسروں کے دکھ درد میں شرکت، ہمدردی وغم خواری، ہر ایک کے مقام ومرتبہ کا پاس ولحاظ اور اس کے مناسب حال ان کا احترام یہ اوصاف بجائے خود سراسر دین ہیں، اس کے مقابل دوسروں کیلئے اذیت وتکلیف کا باعث ہونا، دوسروں سے اعراض، اپنائیت اور خود پسندی کے خول میں اپنے آپ کو بند کرلینا، لوگوں کے مقام ومرتبہ سے ناواقفیت اور اس کا عدمِ لحاظ یہ قابلِ مذمت وملامت اوصاف ہیں، ایسا شخص شریعت کی نگاہ میں اچھا باور نہیں کیا جاتا۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اخلاقِ فاضلہ اور رذیلہ میں منجملہ ان کا بھی ذکر فرمایا ہے، باہم اچھی طرح رہنا، عمدہ کام کرنا، پہلو کا ملائم رکھنا، خیرات دینا، کھانا کھلانا، سلام کا کرنا اور سلام کا جواب دینا، مسلمان بیمار کو پوچھنا، نیک یا بد مسلمان کے جنازے کے ہمراہ جانا، اور جس شخص کے پڑوس میں رہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، اس کے ساتھ اچھی طرح رہنا، لوگوں میں صلح کرانا، جود وکرم اور چشم پوشی کو اختیار کرنا، سلام میں ابتداء کرنا، غصہ پی جانا، بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا، دعوت قبول کرنا، دوسروں کی دعوت کرنا، معاف کرنا، ان اوصاف کو اپنانے کی تاکید کی ہے جن سے باز رہنے کی تاکید کی ہے۔ وہ کھیل اور باطل غنا اور آلات لہو ولعب سے دور رہنا، ہر کینہ اور عیب کی بات اور غیبت اور جھوٹ اور بخل اور زیادتی، کنجوسی اور جفا اور دغا اور فریب اور چغلی اور آپس میں بگاڑ ڈالنا، اور قرابت کو توڑنا، اور بدخلقی اور تکبر اور شیخی اور اترانا اور بڑائی مارنا اور فحش کہنا اور فحش سننا اور کینہ اور حسد اور بدفالی اور سرکشی

اورحد سے گذرنا اورظلم کرنا۔(مختصر مذاق العارفین: جلد دوم: ۲۱۷)

مذکورہ بالا اوصاف حمیدہ کا اختیار کرنا اوراوصاف رذیلہ سے اپنی زندگی کومنزہ اور مصفّٰی کرنا یہ خودعبادت ہے،شرعاًان کی رعایت اوران کا پاس ولحاظ ضروری ہے، یہ بھی دین کا جزولازمی ہے۔انھیں مکارم اخلاق کی اسلام میں اہمیت وقدرکواجاگرکرتے ہوئے،حضورِ اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا:''انسان حسنِ اخلاق کے ذریعے رات کے تہجد گذاراوردن کے روزہ دار کے مقام کوحاصل کرلیتا ہے۔(مشکوۃ:۴۳۲)

اس کے ساتھ برے اخلاق کے نقصانات بھی سن لیجئے کہ بداخلاق، معاملہ کا غیر درست، بدخوشخص باوجود کثرت عبادت کے روزِمحشر جہنم کا مستحق ٹھہرایا جائے گا۔ایک دفعہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا:تم جانتے ہومفلس کون ہے؟صحابہ نے عرض کیا:مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم ودینار نہ ہوں اور نہ کوئی ساز وسامان۔آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جوقیامت کے دن بہت سی نماز، روزہ، زکوۃ (دوسری مقبول عبادتیں) لیکرآئے گا ،مگرحال یہ ہوگا کہ اس نے کسی کوگالی دی ہوگی، کسی پرتہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، اورکسی کو مارا پیٹا ہوگا، تو اس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو(اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی، ایسے ہی دوسرے حق والے کواس کی نیکیوں میں سے (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی، پھراگردوسروں کے حقوق چکائے جانے سے پہلے اسکی ساری نیکیاں ختم ہوجائیں گی تو (ان حقوق کے بقدر) حقداروں اورمظلوموں کے گناہ (جوانہوں نے دنیامیں کئے ہوں گے) ان سے لے کراس شخص پرڈال دیئے جائیں گےاوراسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔(مسلم، باب تحریم الظلم، رقم:۶۵۷۹)

الغرض اس تحریر کے ذریعے اس بات کی نشان دہی مقصود ہے کہ آج یہ ذہن بن گیا ہے کہ محض عبادات ہی دین ہیں، نماز، روزہ، ہوسکے تو زکوۃ اور حج کا اہتمام کرلو، نجات کیلئے یہی کافی ہیں، معاشرت، معاملت اور اخلاق حمیدہ کا دین سے کوئی رشتہ اور تعلق نہیں، (اگر چہ عبادات کی طرف توجہ دینے والے مسلمانوں کی تعداد بھی بہت کم ہے) یہی وجہ ہے کہ معاملات کی درستگی، معاشرتی اور عائلی زندگی کے حقوق کی ادائیگی، اخلاقِ فاضلہ سے اپنی زندگی کو آراستہ کرنا اور اخلاق ذمیمہ سے بچاؤ کی تدابیر بالکل ہی نہیں کی جاتیں، حالانکہ یہی چیزیں عبادات اور ایمانیات کے مکملات میں سے ہیں، ورنہ ان چیزوں کے اہتمام کے بغیر نہ ایمان کی تکمیل ہوسکتی ہے اور نہ ہی ہماری عبادات شرفِ قبولیت سے سرفراز ہوسکتے ہیں، مزید عبادات کا معاملہ یہ بھی ہے کہ یہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس میں کسی قسم کی کمی، کوتاہی ہوجائے تو حق جل مجدہٗ چشم پوشی فرمادیں، اپنی رحمت کاملہ اور اپنی بے پایاں کرم ونوازش سے اس کی معافی تلافی فرمادیں، عین ممکن ہے، لیکن دین کے مذکورہ بالا شعبے یہ حق الناس سے تعلق رکھتے ہیں، اور حقوق العباد کا معاملہ یہ ہے کہ صاحبِ حق دنیا میں معاف کردے یا اس کی معافی مانگ لی جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ روزِ قیامت ہر شخص کا حق صاحبِ حق کو دلوایا جائے گا، اور ان حقوق کی ادائیگی ہی میں مذکورہ بالا حدیث کے مطابق اس شخص کی ساری نیکیاں ختم ہوجائیں گی۔

اور یہ بھی کہ معاملات، معاشرت اور اخلاقیات ہی دین کے وہ ظاہری شعبے ہیں جو غیروں کے اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں، چونکہ ہمارا ایمان ہمارے قلب تک محدود ہوتا ہے، ہماری نماز مسجد کی چہار دیواری میں ہوتی ہے، ہمارا روزہ ہمارے پیٹ میں،

حج خانۂ کعبہ اور اسکے اطراف کے علاقے میں، زکوۃ بھی قرآن کے بیان کے مطابق ہم مصارف زکوۃ پر صرف کرتے ہیں، ان تمام چیزوں سے غیروں کا کوئی واسطہ نہیں، ہماری معاشرت، معاملت اور ہمارے اخلاقیات سے ان کو بار بار واسطہ پڑتا ہے، اگر ان تمام چیزوں میں شرعی احکام کے مطابق پورے کھرے اترتے ہیں تو وہ ہماری اسلام کی یہ دَین معاشرت، حسن معاملت اور اخلاقی برتاؤ کو دیکھ کر اسلام میں داخل ہوسکتے ہیں، ہم نے ان شعبہ جات کو پسِ پشت ڈال کر اسلام اور فروغ اسلام کے کاز میں بڑی رکاوٹ پیدا کردی ہے، ورنہ تاریخ اس قسم کے ہزاروں واقعات سے بھری پڑی ہے کہ مسلمانوں کے حسن معاشرت ومعاملت اور ان کے اخلاقِ کریمانہ کو دیکھ کر لاکھوں کروڑوں کی تعداد اسلام میں داخل ہوئی ہے، ہمارے ایمانیات وعبادات کی مثال تو عمارت کی بنیاد کی سی ہے، تعمیر کی مضبوطی، ٹکاؤ واستقرار کی اصل گرچہ بنیاد ہی ہوتی ہے، لیکن عمارت کا اوپری ڈھانچہ ہی لوگوں کی توجہ اور انکے نگاہوں کا مرکز ہوتا ہے، ہماری معاشرت، معاملت اور اخلاقیات کی مثال عبادات کے مقابل تعمیر کے اوپر ڈھانچہ کی سی ہے، اگر ہماری معاشرت، معاملت اور اخلاقیات کے شعبے درست ہوں گے تو اسلام لوگوں کیلئے لائق توجہ، باعث کشش ہوجائیگا، پھر اسلام میں داخلے کا راستہ ہر کس وناکس کیلئے آسان ہوجائے گا۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ عبادات کے مانند ہمارے یہ تمام شعبے بھی زندہ ہوجائیں، اور ہم ان شعبہ جات کو شرعی احکام کے تحت گذارتے ہوئے ان کو بھی سراسر عبادت واطاعت بنالیں، دنیا وآخرت دونوں جہاں کی سرفرازی اور سربلندی سے ہمکنار ہوجائیں۔ ☆☆☆

مضامین

کیسے ہوئی تعزیوں کی شروعات؟

ایس اے ساگر، دہلی

ان دنوں سماجی رابطہ کی ویب سائٹ پر محرم کے حوالہ سے پوسٹوں کا سلسلہ جاری ہے، جبکہ یہ کوئی تہوار نہیں، محض اسلامی ہجری سن کا پہلا مہینہ ہے۔ کیونکہ اہل نصاری کے یہاں عیسوی سن کی شروعات پر مبارکباد کا سلسلہ جاری رہا ہے، تو بھلا اہل اسلام کیسے پیچھے رہیں؟ الا ماشاءاللہ وہ یہ بھی بھول گئے کہ محرم کے آغاز پر ایک دوسرے کو پوری اسلامی دنیا میں محرم کی 9 اور 10 تاریخ کو مسلمان روزے رکھتے ہیں اور مساجد اور گھروں میں عبادت کی جاتی ہے۔ اہل علم کے نزدیک یہ تاریخ اسلامی کلینڈر میں اہمیت کی حامل ہے، جبکہ اسلامی تقویم کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم کی سورہ التوبۃ میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھراً فی کتٰب اللہ یوم خلق السمٰوٰت و الارض منھا اربعۃ حرم﴾.

حقیقت یہ ہے کہ مہینوں کی تعداد جب سے اللہ تعالی نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے، اللہ کے نوشتہ میں بارہ ہی ہے اور ان میں سے چار حرام ہیں۔

ان بارہ مہینوں کی ترتیب محرم سے شروع ہوتی ہے جبکہ ذی الحجہ پر ختم ہوتی ہے؛ یہ چار مہینے محرم، رجب، ذیقعدہ اور ذی الحجہ ہیں۔

کہاں سے آئیں شرک اور بدعات وخرافات؟

امت میں زوال آنے کے بعد رفتہ رفتہ ان مبارک ومحترم مہینوں میں بھی مختلف بدعات وخرافات انجام دی جانے لگیں، محرم کے مہینے میں تو ان کا اوسط مزید بڑھ جاتا ہے۔ یہ صرف اس وجہ سے کہ اس مہینہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ ان کی یاد میں یا حسین کے فلک شگاف نعرے، سیاہ لباس، شادی سے اجتناب عجیب ہے، جبکہ خلاصۂ کائنات ﷺ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نکاح بھی اسی مہینے میں ہوا، مساجد ومقابر کی زیارت، ماتم، مرثیہ خوانی اور نوحہ وغیرہ کی مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں، ماتمی جلوس نکالا جاتا ہے جس میں سینہ کوبی، تلوار، چاقو، زنجیر، خنجر وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے اور اسی طرح نیاز وفاتحہ، پانی کی سبیلیں لگانا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے یا بھائی کو 'منگتا' بنانا جب کہ برصغیر ہند، پاک میں تو تعزیہ داری کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ ملا باقر مجلسی کی رو سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد گریہ وماتم کی ابتدا یزید کے گھر سے ہوئی اور یہ 3 روز تک جاری رہا، لیکن پھر اس کے بعد تین سو برس تک محرم میں رونے پیٹنے کی رسم کا کہیں وجود نہ تھا۔ سب سے پہلے 452ھ میں معز الدولہ دیلمی نے صرف دسویں محرم کو بغداد میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ماتم کرنے کا حکم نافذ کیا اور اس کے بعد 363ھ میں المعز الدین اللہ فاطمی نے پورے مصر میں اس کا حکم جاری کر دیا جبکہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی شروعات برسوں پہلے تیمور لنگ بادشاہ نے کی تھی، جس کا تعلق شیعہ فرقے سے تھا۔ اس وقت سے ہندوستان کے شیعہ سنی اور کچھ علاقوں میں ہندو بھی تعزیہ داری کا اہتمام کرتے ہیں جو دراصل حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی نقل ہے، وہ قبر؛ جو عراق کے کربلا نامی مقام پر

ہے۔انجان لوگ اس روایت کو مانتے یا مناتے چلے آ رہے ہیں۔ ہندوستان میں تعزیہ کی تاریخ اور بادشاہ تیمورلنگ کا گہرا رشتہ ہے۔ تیمور برلاس خاندان کا ترکی جنگجو تھا اور پورے عالم کو فتح کرنا اس کا خواب تھا۔ 1336 کے دوران سمرقند کے قریب غالبا ازبکستان میں پیدا ہوئے تیمور کو چنگیز خاں کے بیٹے چغتائی نے تربیت دی۔محض 13 سال کی عمر میں ہی وہ چغتائی ترکوں کا سردار بن گیا۔

کیسے مچی تعزیہ کی دھوم؟

فارس، افغانستان، میسوپوٹامیا اور روس کے کچھ حصوں کو جیتتے ہوئے تیمور 1398 کے دوران ہندوستان پہنچا۔ اس کے ساتھ 98000 فوجی بھی ہندوستان آئے۔ دہلی میں محمد تغلق سے جنگ کر کے اپنا ٹھکانہ بنایا اور یہیں اس نے خود کی شہنشاہیت کا اعلان کیا۔

تیمور ترکی لفظ ہے، جس کا مطلب 'لنگڑا' ہوتا ہے۔ وہ دائیں ہاتھ اور دائیں پاؤں سے اپاہج تھا۔ تیمورلنگ شیعہ فرقہ سے تھا اور محرم کے مہینے میں ہر سال عراق ضرور جاتا تھا، لیکن بیماری کی وجہ سے ایک سال نہیں جا پایا۔ وہ دل کا مریض تھا، اس لیے اطبا نے اسے سفر کے لیے منع کیا تھا۔ بادشاہ سلامت کو خوش کرنے کیلئے درباریوں نے ایسا کرنا چاہا، جس سے تیمور خوش ہو جائے۔ اس زمانہ کے فنکاروں کو جمع کر کے انہیں عراق کے کربلا میں بنے امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی نقل بنانے کا حکم دیا۔ کچھ فنکاروں نے بانس کی کھپچیوں کی مدد سے 'قبر' یا امام حسین رضی اللہ عنہ کی یادگار کا ڈھانچہ تیار کیا۔ اسے طرح طرح کے پھولوں سے سجایا گیا، اسی کو تعزیہ کا نام دیا گیا۔ اس طرح تعزیہ کو پہلی بار 801 ہجری میں تیمورلنگ کے محل کے احاطے میں رکھا گیا۔ تیمور کے اس تعزیہ کی دھوم بہت جلد پورے ملک میں مچ

گئی۔ ملک بھر سے راجے رجواڑے اور عقیدت مند عوام ان تعزیوں کی 'زیارت' کیلئے پہنچنے لگے۔ تیمور لنگ کو خوش کرنے کیلئے ملک کی دیگر ریاستوں میں بھی اس روایت کی سختی کے ساتھ آغاز ہوگیا۔ خاص طور پر دہلی کے آس پاس کے آباد شیعہ فرقے کے نواب تھے، انہوں نے فوری طور پر اس روایت پر عمل شروع کر دیا اس کے بعد سے لے کر آج تک اس منفرد روایت کو بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش اور برما یا میانمار میں منایا جا رہا ہے۔ جبکہ خود تیمور لنگ کے ملک ازبکستان یا قازقستان میں یا شیعہ اکثریتی ملک ایران میں تعزیوں کی روایت کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ 68 سالہ تیمور اپنی شروع کی گئی تعزیوں کی روایت کو زیادہ نہیں دیکھ سکا اور سنگین بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے 1404 کے دوران سمرقند واپس چلا گیا۔ بیماری کے باوجود اس نے چین مہم کی تیاریاں شروع کیں، لیکن 19 فروری 1405 کو قازقستان میں تیمور کا انتقال ہوگیا۔ لیکن تیمور کے جانے کے بعد بھی ہندوستان میں یہ روایت جاری رہی۔ تیمور کے تنزل کے بعد مغلوں نے بھی اس روایت کو جاری رکھا۔ مغل شہنشاہ ہمایوں نے سن 9 ہجری 962 میں بیرم خاں سے 46 وزن کے زمرد کا بنا ہوا تعزیہ منگوایا تھا جبکہ تعزیہ کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

بدعات ورسومات کو سمجھے دین

کون نہیں جانتا کہ تعزیہ وغیرہ نکالنے میں مرد وزن کا اختلاط ہوتا ہے، جو کہ جائز نہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان بدعات ورسومات کو دین کی خدمت سمجھ کر انجام دیا جاتا ہے جبکہ اسلام نے ان تمام شرکیہ افعال اور بدعات وخرافات سے واضح طور سے منع کیا ہے اور ایسے موقع پر صبر سے کام لینے کی تعلیم دی ہے۔ سورۃ البقرہ میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون﴾.

جب کوئی مصیبت پڑے، تو کہیں: ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔

پھر یہ بھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے ہیں تو وہ برزخ میں زندہ ہیں، جیسا کہ قرآن کی سورہ بقرہ میں شہیدوں کے بارے میں واضح ہے:

﴿ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء و لکن لا تشعرون﴾.

اور اللہ تعالی کی راہ کے شہیدوں کو مردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں۔

ایسی صورت میں جب وہ زندہ ہیں تو ان کے لیے خود کو زخمی کرنا اور رونا پیٹنا کہاں سے جائز ہوسکتا ہے؟ یہ کام تو کوئی بے وقوف ہی کرسکتا ہے اور جہاں تک نوحہ کرنے اور گریباں چاک کرکے آہ وفغاں کرنے کی بات ہے، تو بخاری میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد یوں وارد ہے کہ 'جو شخص رخساروں پر طمانچہ مارے، گریبانوں کو چاک کرکے جاہلیت کی پکار کے ساتھ پکارے، واویلا کرے اور مصیبت کے وقت ہلاکت اور موت کو پکارے، وہ ہم میں سے نہیں۔'

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا: 'میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے، جو جاہلیت کے چار کام چھوڑنے پر تیار نہ ہوں گے؛ حسب کی بنیاد پر فخر کرنا، کسی کے نسب میں طعنہ زنی کرنا، ستاروں کے ذریعہ قسمت کے احوال معلوم کرنا اور نوحہ کرنا۔

نیز صحیح مسلم میں آپ ﷺ نے یوں فرمایا: 'نوحہ کرنے والی عورت اگر موت سے

پہلے توبہ نہیں کرتی تو قیامت کے روز اس حال میں اٹھائی جائے گی کہ اس پر تارکول کی ایک قمیص ہوگی اور بیماری کے ایک لباس نے اس کے جسم کو ڈھانپ رکھا ہوگا۔'

مورتی وسرجن کی نقل؟

ہندوستان میں تعزیہ کے آگے منتیں، فاتحہ، چڑھاوے، نیاز وغیرہ پیش کی جاتی ہیں اور پھر اس کو متبرک سمجھ کر کھایا، تقسیم کیا جاتا ہے۔اس کا جلوس نکالا جاتا ہے۔جس طرح دسہرہ اور دیوالی کے موقع پر غیر مسلم دیوی دیوتا کی مورتیاں تیار کر کے پوجتے اور گشت کرتے ہیں پھر اس کو دریا میں غرق کر دیتے ہیں بالکل اسی طرح سے یہ لوگ بھی تعزیہ بنا کر گشت کرتے، ماتم کرتے اور سینہ کوبی کرتے ہوئے مصنوعی کربلا کے گہرے کنویں میں دفن کرتے ہیں۔ بہر حال یہ بت پرستی کا دوسرا رخ ہے اور اس میں کسی بھی طرح سے حصہ لینا جائز نہیں اور نہ ہی دیکھنے کی غرض سے جانا صحیح ہے کیوں کہ اسلام نے ایسی جگہوں پر جانے سے سختی سے منع کیا ہے۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ضرور اسلامی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے، لیکن جس طرح اس کو 10 محرم کیساتھ مخصوص کر دیا گیا، مختلف طرح کے افسانے گھڑ لیے گئے اور بدعات وخرافات انجام دی جانے لگیں، یہ غلط اور نا جائز ہے۔ورنہ اس سے پہلے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا گیا، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت یکم محرم کو ہوئی، جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا کہ 'اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوتے'۔اتنی اہمیت کے باوجود آپؓ کی وفات پر کسی نئی بدعت اور رسم کا آغاز نہیں ہوا۔اسلام نے شر اور خیر کو ایام کا معیار فضیلت قرار نہیں دیا ہے اور اسی لیے بخاری میں منقول ہے کہ 'زمانہ کو گالی نہ دو کیوں کہ برا بھلا اللہ تعالی کے ہاتھ

میں ہے۔آج کل جس طرح سے محرم یا دوسرے بڑے لوگوں کی سالگرہ یا برسی وغیرہ منائی جاتی ہے، اگر اسلام اس کی اجازت دے دے تو مسلمان پورے سال ایسی ہی تقریبات یا سوگوار ایام منانے اور اس کے انتظامات کرنے میں لگے رہیں گے (بلکہ اس کے لیے سال کے دن بھی کم پڑ جائیں)۔

☆☆☆



مضامین

اونٹ کے دودھ اور پیشاب سے بیماری کا علاج کرنا

مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض

موضوع بحث مسئلہ کی وضاحت سے قبل صحیح بخاری میں وارد تین مسلسل احادیث کا ترجمہ پیش کرتا ہوں:

(۱) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک صاحب حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرا بھائی پیٹ کی تکلیف میں مبتلا ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا انہیں شہد پلاؤ۔ پھر دوسری مرتبہ وہی صاحب حاضر ہوئے، حضور اکرم ﷺ نے اس مرتبہ بھی شہد پلانے کے لئے کہا۔ وہ پھر تیسری مرتبہ حاضر ہوئے (اور عرض کیا کہ شہد پلایا لیکن شفا نہیں ہوئی) حضور اکرم ﷺ نے پھر فرمایا کہ انہیں شہد پلاؤ، وہ پھر آئے اور کہا کہ (حکم کے مطابق) میں نے عمل کیا (لیکن شفا نہیں ہوئی)، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، انہیں پھر شہد پلاؤ، چنانچہ انہوں نے شہد پھر پلایا اور اسی سے صحت یاب ہوگئے۔ (صحیح بخاری، باب الدواء بالعسل وقول اللہ تعالیٰ فیہ شفاء للناس)

(۲) حضرت ثابتؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں کو بیماری تھی، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمیں قیام کی جگہ عنایت فرمائیے اور ہمارے

کھانے کا انتظام فرمایئے۔ پھر جب وہ لوگ صحت مند ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ مدینہ کی آب وہوا خراب ہے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے حرہ میں اونٹوں کے ساتھ ان کے قیام کا انتظام کر دیا اور فرمایا کہ ان کا دودھ پیو۔ جب وہ صحت یاب ہو گئے تو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے پیچھے آدمی دوڑائے اور (جیسا انہوں نے چرواہے کے ساتھ سلوک کیا تھا) آپ ﷺ نے بھی ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دئے اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھروادی۔ میں نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ زبان سے زمین چاٹتا تھا اور اسی حالت میں مر گیا۔ (صحیح بخاری، باب الدواء بالبان الابل)

(۳) حضرت قتادہؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ (عرینہ کے) کچھ لوگوں کو مدینہ منورہ کی آب وہوا موافق نہیں آئی تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ وہ آپ ﷺ کے چرواہے کے یہاں چلے جائیں، یعنی اونٹوں کے پاس اور ان کا دودھ اور پیشاب پئیں۔ چنانچہ وہ لوگ حضور اکرم ﷺ کے چرواہے کے پاس چلے گئے اور اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا۔ جب وہ صحت یاب ہو گئے تو انہوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ حضور اکرم ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں تلاش کرنے کے لئے بھیجا۔ جب انہیں لایا گیا تو حضور اکرم ﷺ کے حکم سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دئے گئے اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی۔ (صحیح بخاری، باب الدواء بابوال الابل)

مذکورہ واقعہ کی قدرِ تفصیل

قبیلہ عرینہ اور قبیلہ عکل کے تقریباً ۸ حضرات مدینہ منورہ تشریف لائے اور انہوں نے یہ دعوی کیا کہ ہم مسلمان ہوگئے ہیں۔ وہ مرض الجواء میں مبتلا ہوگئے، مرض الجواء پیٹ کی ایک بیماری ہے جس میں پیٹ پھول جاتا ہے اور پیاس بہت لگتی ہے۔ اس مرض کو استسقاء بھی کہتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو شہر مدینہ سے تھوڑا باہر اپنے صدقہ کے اونٹوں کے پاس بھیج دیا تاکہ کھلی فضاء میں تازہ آب وہوا میں رہیں اور صحیح بخاری میں وارد حدیث کے مطابق انہیں اونٹ کے دودھ پینے کو کہا، جبکہ صحیح بخاری کی دوسری حدیث کے مطابق انہیں اونٹ کے دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ شفایاب ہوگئے۔ انھوں نے حضور اکرم ﷺ کے اس احسان وکرم کا بدلہ خیانت اور خباثت کی شکل میں اس طرح دیا کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے چرواہے کو ظلماً قتل کر دیا اور اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی۔ جب حضور اکرم ﷺ کو یہ علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے پیچھے کچھ حضرات بھیجے تاکہ ان کو گرفتار کر کے لایا جائے، جب انہیں گرفتار کر کے لایا گیا تو نبی اکرم ﷺ نے اُسی طرح سے ان کا قتل کروایا جس طرح انہوں نے چرواہے کو قتل کیا تھا چنانچہ ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر اُن کی آنکھوں میں سلائی پھروادی۔ یہ واقعہ مثلہ کی ممانعت کے نزول سے قبل کا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث کے آخر میں اس کی وضاحت مذکور ہے، حضرت قتادہؒ نے بیان کیا کہ مجھ سے محمد بن سیرینؒ نے حدیث بیان کی کہ یہ حدود کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، (بعد میں اس طرح کی سزا کی ممانعت نازل ہوگئی)۔ کسی شخص کے بعض اعضاء کاٹ کر یا ان کو مسخ کر کے بے دردی سے قتل کرنے کو مثلہ کہتے ہیں۔

حلال جانوروں کا بھی پیشاب ناپاک ہے

موضوع بحث مسئلہ کو سمجھنے سے قبل ایک دوسرے مسئلہ کو بھی سمجھنا ہوگا کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے یعنی حلال جانور مثلاً بکرا، بکری، گائے، بھینس اور اونٹ وغیرہ، آیا ان کا پیشاب پاک ہے یا ناپاک؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ اور دیگر فقہاء کرام مثلاً امام سفیان ثوریؒ کی رائے ہے کہ انسان کے پیشاب کی طرح ہر جانور کا پیشاب ناپاک ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ البتہ حضرت امام مالکؒ اور بعض دیگر علماء کرام کی رائے ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب پاک ہے اور جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا اُن کا پیشاب ناپاک ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے اس کے لئے بنیادی طور پر دو دلیلیں پیش کی ہیں۔ پہلی دلیل حضرت قتادہؒ سے مروی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ مذکورہ بالا حدیث جس میں پیشاب پینے کا ذکر آیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر پیشاب پاک نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کے پینے کا حکم کیوں دیتے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ سکتے ہو۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر ان کا پیشاب ناپاک ہوتا تو آپ ﷺ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کی اجازت کیوں دیتے۔ حالانکہ ان دونوں احادیث سے حلال جانوروں کے پیشاب کے پاک ہونے کی دلیل بنانا قابل اعتراض ہے کیونکہ پہلی حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیماری کے لئے پیشاب کا استعمال کیا جاسکتا ہے، نیز اکثر علماء نے اس واقعہ کو خصوصی واستثنائی واقعہ قرار دیا ہے، جبکہ

دوسری حدیث کے مکمل الفاظ: صَلُّوا فِیْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَلَا تُصَلُّوا فِی اَعْطَانِ الْاِبِلِ (یعنی بکریوں کے باڑہ میں نماز ادا کرلو لیکن اونٹوں کے باڑہ میں نماز ادا نہ کرو) سے واضح طور پر ہمارے ہی موقف کی تایید ہوتی ہے کہ حلال جانور کا پیشاب بھی ناپاک ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اونٹ کے باڑے میں نماز ادا کرنے سے منع کیا ہے۔ دونوں دلیلوں کا تفصیلی جواب آگے آرہا ہے۔

جن فقہاء وعلماء (مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام سفیان ثوریؒ) نے تمام جانوروں کے پیشاب کو ناپاک قرار دیا ہے وہ دلیل کے طور پر اس حدیث کو پیش کرتے ہیں جس میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیشاب سے بچو کیونکہ عمومی طور پر قبر کا عذاب پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (مستدرک حاکم، ابن ماجہ، دارقطنی، صحیح ابن خزیمہ) شیخ حاکمؒ نے اس حدیث کو صحیح علی شرط البخاری قرار دیا ہے۔ اس حدیث کو علامہ ہیثمیؒ نے بھی "مجمع الزوائد" میں ذکر کیا ہے۔ غرضیکہ حضور اکرم ﷺ نے عمومی طور پر پیشاب سے بچنے کا حکم دیا ہے اور کسی انسان یا جانور کے پیشاب کی کوئی تخصیص نہیں کی۔ دوسری دلیل مسند امام احمد میں وارد وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ دفن کے بعد میت کو قبر نے زور سے بھینچا اور دبایا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ عذاب ان کا پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے تھا۔ غرضیکہ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات پیشاب سے بچنے کی ہیں اور حضور اکرم ﷺ نے زندگی میں ایک مرتبہ بھی حلال وحرام جانوروں کے پیشاب میں کوئی فرق بیان نہیں فرمایا۔

نیز شرعی وطبی دونوں اعتبار سے دور دور تک پیشاب کا گوشت سے کوئی تعلق سمجھنے میں نہیں آتا کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا تو پیشاب پاک ہو اور جن

جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب ناپاک ہو، اسی طرح گوشت کھائے جانے والے جانوروں کے پاخانہ کو ناپاک اوران کے پیشاب کو پاک قرار دینے، نیز انسان کے پیشاب کو ناپاک اور گوشت کھائے جانے والے جانور کے پیشاب کو پاک قرار دینے کی کوئی منطق سمجھ میں نہیں آتی، حالانکہ قرآن وحدیث میں ایسی کوئی واضح دلیل نہیں ہے جس میں صرف گوشت کھائے جانے والے جانوروں کے پیشاب کو پاک قرار دیا جائے۔ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ حضور اکرم ﷺ نے بیماری کے علاج کے لئے اونٹ کا پیشاب پینے کی اجازت دی تھی، مگر یہ بھی تو بہت ممکن ہے کہ اس زمانہ میں اس بیماری کا علاج اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو اس لئے آپ ﷺ نے اجازت دی ہو مگر اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ صرف گوشت کھائے جانے والے جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔ اور جہاں تک اُس حدیث کا تعلق ہے کہ جس میں حضور اکرم ﷺ نے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے تو اس حدیث کے مکمل الفاظ یہ ہیں:

صَلُّوا فِیْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَلَا تُصَلُّوا فِی اَعْطَانِ الْاِبِلِ.

بکریوں کے باڑہ میں نماز ادا کرلو لیکن اونٹوں کے باڑہ میں نماز ادا نہ کرو۔

اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ بکریوں کا پیشاب عموماً دور دور نہیں جاتا ہے لہذا بکریوں کے باڑے میں تو کسی پاک وصاف جگہ نماز پڑھ سکتے ہو لیکن اونٹ کا پیشاب دور دور تک بہتا ہے لہذا اونٹ کے باڑے میں پاک وصاف جگہ کا موجود ہونا دشوار ہے لہذا اونٹ کے باڑے میں نماز ادا نہ کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے موقف کی ہی تائید ہوتی ہے کہ بکری واونٹ کا پیشاب بھی ناپاک ہے۔

اونٹ کے دودھ یا دودھ اور پیشاب سے بعض بیماری کا علاج

اس نوعیت کا صرف ایک واقعہ حضور اکرم ﷺ کی پوری زندگی میں پیش آیا تھا، اس کے بعد صحابۂ کرام کے زمانہ میں بھی کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا، جہاں تک صحیح بخاری کے باب الدواء بابوال الابل میں مذکور حدیث کا تعلق ہے تو علماء احناف وشوافع نے اس کے متعدد جوابات دئے ہیں جن میں سے تین جوابات حسب ذیل ہیں:

(۱) حضور اکرم ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا گیا تھا کہ اونٹ کا پیشاب پئے بغیر ان کی شفا اور زندگی ممکن نہیں، اس طرح یہ لوگ مضطر کے حکم میں آ گئے اور مضطر کے لئے نجس چیز کا استعمال جائز ہے۔ یعنی اگر کسی انسان کی جان خطرہ میں ہو تو اس کی جان بچانے کے لئے حرام چیز سے علاج کیا جا سکتا ہے۔

(۲) حضور اکرم ﷺ نے پیشاب پینے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ اس کے خارجی استعمال کا حکم دیا تھا اور اصل عبارت یوں تھیں: **اشربوا من البانها واضمدوا من ابوالها**۔ اضمد وا کے معنی ہیں لیپ چڑھانا۔

(۳) متعدد شواہد دلالت کر رہے ہیں کہ یہ واقعہ سن ۶ ہجری سے قبل کا ہے، خود حدیث کے راوی حضرت قتادہؒ نے بیان کیا کہ مجھ سے محمد بن سیرینؒ نے حدیث بیان کی کہ یہ حدود کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، (بعد میں اس طرح کی سزا کی ممانعت نازل ہوگئی)، یعنی یہ واقعہ مثلہ کی حرمت سے قبل کا ہے، جبکہ پیشاب سے نہ بچنے پر عذاب قبر کی حدیث اس واقعہ سے بعد کی ہے کیونکہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ ہجری میں اسلام لائے تھے۔ لہذا حضرت قتادہؒ سے مروی

حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث منسوخ ہے۔ نیز اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کا مثلہ فرمایا اور مثلہ بالاتفاق منسوخ ہے۔ لہذا ظاہر یہی ہے کہ یہ حکم بھی منسوخ ہوگیا ہو اور اس کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ نے کبھی بھی اس نوعیت کا علاج نہیں بتایا اور نہ کسی صحابی سے اس نوعیت کا علاج کرنا منقول ہے۔

(۴) صحیح بخاری میں ہی اس حدیث سے قبل حضرت ثابتؒ سے مروی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث بھی مذکور ہے جس میں انہیں حضرات کا علاج صرف دودھ سے مذکور ہے، اس حدیث میں پیشاب کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس لئے اس نوعیت کی بیماری کا علاج صرف اونٹ کے دودھ سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ نیز صحیح بخاری میں ان دونوں احادیث سے قبل پیٹ کی بیماری کا علاج شہد سے بھی مذکور ہے۔ لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ اگر دنیا میں بیماری کا علاج موجود ہو تو پیشاب پی کر علاج نہ کیا جائے، بلکہ صحیح بخاری میں وارد حضور اکرم ﷺ کے اقوال کی روشنی میں پہلے شہد، صرف اونٹ کے دودھ یا دیگر ادویہ سے کیا جائے اور اگر کوئی دوا اثر نہیں کر رہی ہے اور جان کا خطرہ ہے تو پھر اونٹ کے پیشاب سے علاج کیا جاسکتا ہے۔

سعودی عرب کے مشہور مصنف جناب محمد بن عبداللطیف آل الشیخ نے اس موضوع پر ایک مضمون (التداوی ببول الابل) تحریر کیا ہے جو مشہور و معروف ویب سائٹ العربیہ پر پڑھا جاسکتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر اس کا خلاصۂ کلام پیش کردوں تاکہ مسئلہ مزید واضح ہوجائے۔ انہوں نے ابتداء میں تحریر کیا کہ باوجودیکہ میں قرآن وحدیث پر مکمل طور پر ایمان لایا ہوں اور اس بات پر بھی میرا مکمل یقین ہے کہ قرآن کریم کے بعد صحیح

بخاری وصحیح مسلم دو اہم ومستند صحیح کتابیں ہیں، مگر صحیح بخاری میں وارد اُس حدیث کے الفاظ سے مکمل طور پر مطمئن نہیں ہوں جس میں اونٹ کے پیشاب سے علاج کا ذکر وارد ہوا ہے۔ زیادہ بہتر معلوم ہوتا کہ ہم اس حدیث کے تعلق سے جلیل القدر فقیہ حضرت امام ابوحنیفہؒ والا موقف اختیار کریں کہ یہ ایک خصوصی واقعہ ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا گیا تھا کہ اونٹ کا پیشاب پیئے بغیر ان حضرات کی شفا اور زندگی ممکن نہیں ہے، یعنی اس حدیث میں عمومی حکم نہیں ہے کہ کوئی بھی شخص اونٹ کے پیشاب سے علاج کرے جیسا کہ بعض علماء کرام نے سمجھا ہے۔ غرضیکہ یہ ایک خصوصی واقعہ ہے، جس طرح جمہور علماء نے صحیح مسلم میں وارد حدیث کو خصوصی واقعہ قرار دیا ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت سالم کو دودھ پلا دیں جس سے دونوں کے درمیان حرمت ثابت ہوجائے، حالانکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی یعنی ماں بیٹے کا رشتہ نہیں بن سکتا۔ تو جس طرح سے جمہور علماء نے صحیح مسلم میں وارد اس واقعہ کو خصوصی واستثنائی قرار دیا ہے اسی طرح اونٹ کے پیشاب سے علاج والے واقعہ کو بھی خاص قرار دیا جائے، کیونکہ طبی اعتبار سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ پیشاب جس میں مختلف قسم کے زہر ہوتے ہیں اس کو پی کر کسی طرح کا علاج کیا جاسکتا ہے۔ نیز یہ حضرات اللہ کے علم میں کافر تھے اور بہت ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعہ بتلا دیا گیا ہو کہ یہ لوگ مرتد ہوکر مرجائیں گے، لہذا اللہ تعالیٰ نے کافر کی شفاء ایک ناپاک چیز میں رکھ دی تھی۔ موصوف نے مزید تحریر کیا کہ حدیث کی سند صحیح ہونے کے باوجود حدیث میں

وارد پیشاب کے لفظ پر بھی تو کلام کیا جاسکتا ہے، جس طرح شیخ محمد عثیمینؒ نے صحیح مسلم میں وارد مشہور ومعروف جساسہ والی حدیث کے الفاظ ومفہوم پر اپنے عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے۔

غرضیکہ انسان اور حرام جانوروں کی طرح حلال جانوروں کا پیشاب بھی ناپاک ہے اور صحیح بخاری میں وارد اونٹ کے پیشاب سے علاج والا واقعہ خصوصی واستثنائی ہے نیز اس حدیث میں کچھ شک وشبہات بھی ہیں کیونکہ اس سے قبل والی حدیث میں اسی واقعہ پر صرف اونٹ کے دودھ سے علاج مذکور ہے اور اس میں دور دور تک کہیں بھی اونٹ کے پیشاب کا ذکر نہیں ہے، نیز اس حدیث میں مثلہ کا بھی ذکر ہے جو بعد میں ناجائز ہوگیا۔ لہذا ہم اونٹ کے پیشاب سے علاج اسی صورت میں کرائیں جب بیماری کا دنیا میں کوئی علاج نہ ہو اور زندگی خطرہ میں ہو۔

☆☆☆



تاریخی حقائق

کیا اسلام کی اشاعت میں جبر واکراہ کا دخل ہے؟

مولانا اسرارالحق قاسمی
ایم پی وصدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن، نئی دہلی

موجودہ صدی میں مسلمانوں کی تذلیل وتحقیر اور عالمی منظر نامے پر ان کی شبیہ خراب کرنے کے لیے جو منظّم سازشیں ہورہی ہیں، ان ہی کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ عیسائی مشنریز اور ایسی تمام قوتیں، جو اسلام کو ایک آفاقی اور تاریخ کے ہر دور اور ہر موڑ پر انسانیت کی راہ بری و راہ نمائی کرنے والے مذہب کے طور پر تسلیم نہیں کرتیں، وہ وقتاً فوقتاً اسلام کی بنیادی تعلیمات، قرآن کریم، احادیث کے معتد بہ حصے اور نبی پاک ﷺ کی سیرتِ پاک کو اپنے اوچھے اور بکواس اشکالات واعتراضات کا نشانہ بناتی رہتی ہیں، ان ہی اشکالات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نعوذ باللہ محمد ﷺ نے اپنے دین کو پھیلانے اور عام کرنے کے لیے تلوار کا سہارا لیا اور ان کی زندگی میں جتنے لوگ بھی اسلام میں داخل ہوئے، وہ اپنی مرضی وخواہش سے نہیں؛ بلکہ مسلمانوں کے زورِ شمشیر سے داخل ہوئے؛ حالاں تاریخی حقائق ان کی اس بیہودہ گوئی کا صاف اور صریح طور پر انکار کرتے ہیں، اگر آپ تبلیغِ اسلام کے ابتدائی ادوار اور پھر آپ ﷺ کی مکی ومدنی زندگی کا منصفانہ مطالعہ کریں، تو آپ کو صاف طور پر محسوس ہوگا کہ اسلام کی اشاعت کا آغاز اجنبیت اور کمزوری کے دور میں شروع ہوا اور پھر جب مسلمانوں

نے مدینہ کی جانب ہجرت کی اور کفار ومشرکین اور یہودیوں کی متعدد جماعتوں سے جو جنگیں ہوئیں، وہ سب انتہائی مجبوری میں ہوئیں، ورنہ ہمارے نبیؐ کے جیسا صلح پسند اور امن جو انسان روے زمین نے آج تک نہیں دیکھا، ہر موقعے پر آپ نے کشت وخون اور جنگ و جدال کو ٹالنے کی کوشش کی، مگر جب فریقِ مخالف مرنے مارنے پر ہی آمادہ نظر آیا، تبھی آپ نے اپنے اصحاب کو تلوار اٹھانے کی اجازت دی، پھر دورانِ جنگ بھی آپ نے اپنے مجاہدین کو انسانی اصول واقدار کا حددرجہ پابند رکھا، کیوں کہ آپؐ پوری انسانیت کے لیے رحمت و رأفت بنا کر بھیجے گئے تھے اور انسانی حرمت آپ کے نزدیک سب سے اعلیٰ و برتر تھی، عہدِ نبوی کی جنگوں میں جو جانوں کا اتلاف ہوا، اس سے بھی کوئی بھی عقلِ سلیم رکھنے والا انسان بآسانی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں زور زبردستی اور تیغ وتفنگ کا عمل دخل بالکل بھی نہیں تھا اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا تھا، جبکہ اللہ تعالیٰ صاف طور پر ﴿لا اکراہ فی الدین﴾ اور ﴿لکم دینکم ولی دین﴾ کا اعلان کر چکا تھا، اسلام کی اشاعت میں اصالۃً بے مثال سیرتِ نبوی اور آپ کے اصحاب کے کردار وعمل کا دخل رہا، انھوں نے جس ملک یا شہر کو فتح کیا، تو حسبِ روایت وہاں تباہی وتاراجی مچانے کی بجاے وہاں کے لوگوں کو امان دیا، انھیں پرامن طور پر اسلام کی دعوت دی اور اگر انھوں نہیں مانا، تو بہت معمولی جزیے کے عوض انھیں ان کے دین پر چھوڑ دیا، عیسائیت اور استشراق کی جانب سے اسلام کی شبیہ کو خراب کرنے والا یہ اعتراض؛ بلکہ اتہام اور بہتان کتنا صریح جھوٹ ہے کہ خود کئی ایک مستشرقین نے اپنی کتابوں میں اس کی تردید کی ہے، معروف مستشرق عالم ''ٹامس کارلائل'' (۱۷۹۵-۱۸۸۱ء) نے اپنی کتاب On Heroes, Hero-wership,and

the Heroic in History میں جہاں نبی پاک کو تمام انبیا کے سردار کے طور پر مانا اور پیش کیا ہے، وہیں اس نے اسلام کی اشاعت میں تلوار کے عمل دخل کو قطعاً جھوٹ اور یاوہ گوئی قرار دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ ''یہ عقل میں آنے والی بات ہی نہیں کہ ایک شخص، جو اپنی دعوت کے ابتدائی دنوں میں بالکل تن تنہا ہو، کوئی اس کو ماننے والا نہ ہو، وہ اکیلے پوری قوم اور جماعت کے خلاف تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہو اور انھیں اپنے آپ کو منوانے پر مجبور کردے''۔ (محمد المثل الأعلیٰ، تعریب: محمد السباعي، ص:۲۱، مکتبۃ النافذۃ، مصر ۲۰۰۸ء)

کارلائل کے علاوہ بھی متعدد مسیحی اور مستشرق علما، ادبا اور شعرا نے اس بات کا نہ صرف اعتراف کیا ہے کہ نبی پاک ؐ کی ذات سراپا رحمت تھی؛ بلکہ انھوں نے انصاف پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے اپنے طور پر دلائل کے ذریعے اس کو ثابت بھی کیا ہے، گو کہ ان کے مقابلے میں سیرت نبوی اور اسلام کو اپنے سطحی اعتراضات واشکالات کا نشانہ بنانے والوں کی تعداد زیادہ رہی اور انھوں نے پورے زور وشور سے اسلام کی شبیہ کو داغ دار کرنے کی مہم جاری رکھی اور آج کے ابلاغی وسائل کی بہتات اور بے پناہ کثرت کے دور میں وہ پہلے سے بھی زیادہ زور وشور سے اپنی یہ ناپاک مہم جاری رکھے ہوئے ہیں۔

کیا دینِ مسیحی میں قتال کا تصور نہیں؟

قبل اس کے کہ ہم اسلام پر عیسائی مشنریز کی جانب سے تشدد پسندی وانتہا پسندی کے الزامات کا تحقیقی جواب دیں، مناسب سمجھتے ہیں کہ اس خیال اور عام طور پر پھیلے ہوئے تصور کی حقیقت واضح کردی جائے کہ مسیحیت مطلقاً جنگ وجدال اور قتال کا انکار کرتی ہے، عیسائیوں سے پوچھا جانا چاہیے کہ انجیلِ متیٰ میں حضرت عیسیٰ کی جانب جو یہ قول منسوب

ہے کہ ''تم یہ مت سمجھو کہ میں زمین میں صلح وسلامتی قائم کرنے کے لیے آیا ہوں، بلکہ میں تو تلوار لے کر آیا ہوں، میں اس لیے آیا ہوں کہ انسان کو اس کے باپ کے خلاف کھڑا کردوں، بیٹی کو اس کی ماں کے خلاف اور چوپایوں کو چرواہوں کے خلاف، انسان کے دشمن اس کے گھر والے ہی ہوتے ہیں، جو شخص بھی اپنی ماں یا باپ سے مجھ سے زیادہ محبت کرے، تو وہ مجھ سے دور رہے، جو شخص اپنے بیٹے یا بیٹی سے مجھ سے زیادہ محبت کرے، وہ بھی مجھ سے دور رہے، جو شخص اپنی صلیب نہ لے اور میری اتباع نہ کرے وہ مجھ سے دور رہے، جس نے زندگی کو پالیا (یعنی اپنے لیے اسے گزار دیا) اس نے دراصل اپنی زندگی کو گنوادیا اور جس نے میری خاطر اپنی زندگی کو گنوادیا، تو گویا اس نے اپنی زندگی کے مقاصد کو پالیا''۔ (باب:۱۰، آیت:۳۵) اس کا آخر ہم کیا مطلب نکالیں؟ ہم نام نہاد عیسائیت کے علم برداروں کے قول کو مانیں اور انجیل کی تکذیب کریں یا ان کو جھوٹا سمجھیں اور انجیل کے بیان کو صحیح اور سچ مانیں؟

یہودیت اور تشدد پسندی

جہاں تک بات توریت کی ہے، تو اس کے اندر تو ابھی بھی بے شمار ایسے مقامات ہیں، جہاں جنگ وجدال اور قتال کی مشروعیت کی بات کی گئی ہے، مزید یہ کہ دینِ موسوی کے حوالے سے جو شدت پسندی کی باتیں عام طور پر مشہور ہیں اور واقعتاً بھی اس شریعت میں جو کم سے کم گنجایش اور سہولت کے مواقع پائے جاتے تھے (گرچہ ان کی کچھ وجہیں بھی تھیں) اس سے بھی ہم اچھی طرح واقف ہیں اور ان دونوں معروف سماوی شریعتوں کے خلاف اسلام نے جنگ اور قتال کے جو اصول متعین کیے اور ان پر جس اہتمام کے ساتھ خود

ہمارے نبی پاک ﷺ اور آپ کے اصحاب اور مجاہدینِ اسلام نے سختی کے ساتھ عمل کیا اور جس طرح سے قرنِ اول میں مسلمانوں میں انسانی اقدار کے تحفظ وتکریم کی تاب ناک مثالیں پیش کیں، وہ اپنے آپ میں لا زوال ہیں اور اس بات کا بین ثبوت کہ اسلام کی اشاعت میں تلوار یا زور زبردستی کا ادنیٰ دخل بھی نہیں رہا۔

اس کے برخلاف عیسائیت کے ماننے والوں کی پوری تاریخ بے قصور انسانوں کے خون سے گل نار ہے، ماضی میں رومیوں نے بے شمار انسانوں کو تہہِ تیغ کیا، متعدد یورپی قوموں نے انسانی خون کو پانی کی طرح بہایا، گیارہویں بارہویں صدی عیسوی میں جو سلسلہ وار جنگیں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ہوئی تھیں، وہ خود عیسائیوں نے ہی بھڑکائی تھیں، چپے چپے سے ان کی افواج نے جمع ہوکر اسلامی مملکت وخلافت پر حملے کیے، مسلمانوں کو قتل کیا اور اس اندوہ ناک انسانیت کش مہم کی پشت پر اعلانیہ طور پر ان کے مذہبی رہنما ،راہب اور پاپاؤں کا ہاتھ رہا۔ یہ وہ تاریخی حقائق ہیں، جن کا انکار نہ تو مسیحی علما کر سکتے ہیں اور نا ہی مستشرقین۔

پھر بیسویں صدی میں جو پوری دنیا میں صلیبی حکومت قائم کرنے کے جنون میں دنیا کے طول وعرض پر حملے کیے گئے، وہ سب بھی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہی ہیں، تاریخ میں برطانیہ، روم، اٹلی، فرانس اور امریکی اتحاد کے ترجمان لارڈ لنبی کا وہ قول بھی محفوظ ہے، جس میں اس نے ۱۹۱۸ء میں پہلی عالمی جنگ کے اختتام اور بیت المقدس پر قبضے کے موقع پر کہا تھا کہ ''صلیبی جنگوں کا اختتام تو اب ہوا ہے'' اسی موقع پر فرانسیسی ترجمان نے دمشق میں اسلامی قائد سلطان صلاح الدین ایوبی کی قبر کے پاس جا کر یہ کہا تھا کہ ''صلاح

الدین! ہم واپس آ گئے''۔

بوسینیا، چیچنیا، ہرزے گوینا اور متعدد افریقی ملکوں میں جو مسلمانوں کی جان، مال اور عزت وآبرو پر بے تحاشا ڈاکے ڈالے گئے، وہ بھی صلیبیت کے ہی نام پر تھے۔

حالاں کہ ان سب کے برخلاف اسلام نے اپنے تمام تر تاریخی مراحل میں اپنی صاف شفاف اور روشن تعلیمات کے ذریعے انسانی قلوب کو مسخر کیا، عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات، جنگ و امن کے دوران دی جانے والی اس کی ہدایتیں، غلبہ اور فتح کے دوران اس کی انسانیت نوازی پر مبنی تعلیم اور اس کے مبنی برانصاف سیاسی نظام نے لوگوں کو ہر دور میں اپنی جانب مائل کیا اور وہ اس کی صداقت وحقانیت کے قائل ہوکر حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے رہے، اسلامی قلم رو میں جو دوسرے مذاہب کو ماننے والی قومیں رہتی تھیں، انھیں پوری امان ملتی تھی، ایسی جیسی ان کے اپنے ہم مذہب بادشاہ بھی نہیں دیتے تھے۔

اسلامی دعوت کی تاریخ اور فرضیتِ جہاد کے اسباب

اسلام کے مزاج میں سلامتی اور صلح جوئی کا عنصر شامل ہے، تو پھر اس نے جہاد کو فرض کیوں قرار دیا؟ یہ ایک اہم سوال ہے اور اس کا جواب ہمیں اسلام کے بالکل ابتدائی دور، نبی پاک ﷺ کی سیرتِ مبارکہ، خلفاے راشدین، دیگر اصحاب و تابعین اور موجودہ انسانی تاریخ، سب کو سامنے رکھتے ہوئے تلاش کرنا ہوگا، ویسے یہ تو ایک واضح سچائی ہے کہ باوجودیکہ کم وبیش ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے دنیا کے ایک بڑے حصے پر حکومت کی؛ لیکن آج بھی ان کی تعداد دنیا کی مجموعی آبادی کا زیادہ سے زیادہ ۲۲ رفیصد ہے، یعنی

سات ارب میں سے ایک ارب ستر کروڑ کے لگ بھگ، یہ بھی اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ مسلمانوں نے دین کی اشاعت میں زبردستی سے کام نہیں لیا، کیوں کہ اگر وہ چاہتے، تو کم ازکم اپنی سیاست کے عروج کے زمانے میں تو ایسا کر ہی سکتے تھے کہ دنیا بھر کی قوموں کو شمشیر کی نوک پر اسلام کے دائرے میں داخل کر لیتے، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

(۱)

بعثت کے بعد نبی پاک ﷺ مکہ میں تیرہ سال تک مقیم رہے، اس دوران آپ نے مکہ والوں کو توحید، رسالت اور قرآنی و اسلامی تعلیمات کو قبول کرنے کی دعوت دی، اس دوران مکہ کے بہت سے خوش نصیب افراد نے ایمان قبول بھی کیا، ان میں اشرافِ قوم بھی تھے اور کم درجے کے لوگ بھی، البتہ نچلے درجے کے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی اور اس حقیقت میں کوئی دو رائے نہیں ہوسکتی کہ نبی پاک ﷺ کے پاس اتنا مال و دولت نہیں تھا کہ جسے لوگوں میں تقسیم کر کے انھیں اسلام کی طرف راغب کرتے، یہی وجہ ہے کہ اسلام لانے کی پاداش میں مسلمانوں اور ان میں سے بھی فقرا اور غربا اور کمزور طبقے سے تعلق رکھنے والوں کو کفار مکہ کی جانب سے سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا؛ لیکن چوں کہ انھوں نے کسی ظاہری لالچ یا خوف کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ دل کی رضا سے اسلام قبول کیا تھا؛ اس لیے ان کے ایمان و یقین میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی؛ بلکہ انھیں جتنا زیادہ تکلیفوں سے گزارا گیا، ان کی قوتِ ایمانی میں اتنا زیادہ اضافہ ہوتا گیا، یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس دور میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ جس میں کسی شخص نے اسلام لانے کے بعد اس دین سے نفرت اور ناپسندیدگی کی وجہ سے رِدَّت اختیار کر لی ہو یا اسے کفار و مشرکین کے مکر و فریب نے اپنے دین اور مذہب سے بیزار کر دیا

ہو؛ بلکہ اس کے برخلاف ہمیں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جن میں بعض مسلمانوں کو جب اسلام کے راستے میں سخت سے سخت عذاب دیا گیا، انھیں آگ میں ڈالا گیا یا ننگی جلتی ہوئی ریت پر کھلے بدن گھسیٹا گیا، تو انھیں ایک خاص قسم کی روحانی لذت، ٹھنڈک اور حلاوت محسوس ہوئی۔

(۲)

پھر جب کفارِ مکہ کی جانب سے اذیتوں کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا گیا اور مسلمانوں کے لیے مکے میں رہنا نہایت ہی ناممکن ہوگیا، تو اللہ کے نبیؐ نے بعض کمزور اور مصیبت زدہ مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت دے دی؛ چنانچہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے حبشے کی جانب ہجرت کر لی، پھر اس کے بعد ہجرتِ کبریٰ یعنی مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کا واقعہ رونما ہوا، اس میں نبی پاک ﷺ کے ساتھ تمام صحابہ کرام بھی شامل تھے، ان سبھوں نے محض اسلام کی حفاظت اور دین کی تبلیغ واشاعت کی خاطر اپنے گھر بار، آل اولاد اور اموال وجائے داد تک کو چھوڑ دینا گوارہ کرلیا، مدینے کے قیام کے دوران شروع کے ایک ڈیڑھ سال تک آپ وہاں کے لوگوں کو انتہائی پرامن طریقے سے اور حکمت وموعظت کے ساتھ دین کی تبلیغ کرتے رہے، مدینے کے بہت سے لوگ اور قبیلے مدینے میں آپ کی آمد سے پہلے ہی مکہ جا کر اپنی مرضی اور دلی خوشی کے ساتھ اسلام قبول کر چکے تھے، مکہ کے تیرہ سال اور مدینہ کے تقریباً ڈیڑھ سالوں کے درمیان مسلمانوں کی جو حالت تھی، وہ سیرت و تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے اور اسے جاننے اور پڑھنے کے بعد کوئی ناعقل، متعصب اور بغض وحسد کے خطرناک مرض کا شکار شخص ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ جتنے بھی لوگوں نے اسلام قبول

کیا، وہ خارجی دباؤ، ڈر، خوف یا لالچ کی وجہ سے کیا۔

(۳)

ہجرتِ مدینہ کے دوسرے سال کے اواخر یا نصف میں مسلمانوں کو جہاد اور کافروں کے خلاف مقاتلے کی اجازت مل گئی؛ لیکن یہ جہاد اس لیے نہیں مشروع کیا گیا کہ اس کے ذریعے سے کافروں اور مشرکوں کو زبردستی دائرۂ اسلام میں داخل کیا جائے؛ بلکہ اللہ نے اسے اس لیے مشروع کیا کہ اس کے ذریعے سے دینِ اسلام کا دفاع کیا جائے، اس کو درپیش مشکلات اور عوائق وموانع کا مقابلہ کیا جائے اور اس کی اشاعت کی راہ میں حائل ہونے والوں کو دور کیا جائے، مسلمانوں کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے، روئے زمین پر ایک خدا کی پرستش اور عبادت کے تصور کو عام کیا جائے، ظلم و زیادتی، نا انصافی، بے امنی کا خاتمہ کیا جائے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قتال اور جہاد کا حکم دیتے وقت بھی مسلمانوں کو یہ تلقین کی کہ وہ ایسے لوگوں پر دورانِ جنگ ہاتھ نہ اٹھائیں، جنھوں نے مذہب کے نام پر انھیں پریشان نہیں کیا اور ان کی ایذا رسانیوں میں دوسروں کے ساتھ شریک نہ رہے، مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ دورانِ جنگ ایسے لوگوں سے اپنے ہاتھ کھینچے رکھیں، ان کے ساتھ انصاف اور حسنِ سلوک کا معاملہ کریں، ارشاد ہے:

﴿لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا اليهم، ان الله يحب المقسطين، انما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين وأخرجوكم من دياركم، وظاهروا على اخراجكم أن تولوهم، ومن يتولهم فاولئك هم الظالمون﴾. (الممتحنۃ:۸-۹)

اس آیتِ کریمہ سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا موقف یہ نہیں کہ اگر تم ہمارے ساتھ صلح کرو، تو ہم تمہارے ساتھ صلح پسندی کا معاملہ کریں گے؛ بلکہ وہ کافروں کی جماعت کے ساتھ بھی رحم وکرم اور حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے، پھر قرآنِ کریم میں دین سے روکنے والے اور دین کے راستے میں روڑا اٹکانے والے کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کا جو حکم دیا گیا، تو مطلقاً نہیں؛ بلکہ اس میں بھی حدود و قیود طے کر دیے گئے اور حدِ اعتدال سے تجاوز کو ممنوع قرار دیا گیا:

﴿وقاتلوا في سبيل اللّٰه الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا﴾. (البقرۃ:۱۹۰)

یہ اور ان کے علاوہ دیگر قرآنی آیتوں اور خدائی احکام کی روشنی میں نبی پاکؐ نے اپنے اصحاب اور مجاہدین کو جنگ کے راہنما اصول بتائے، جن پر وہ ہمیشہ کاربند رہے، کمزوری ومغلوبیت کے زمانے میں بھی اور فتح اور غلبہ کے بعد بھی، انھوں نے کسی بھی موقع پر مفتوحین کے ساتھ روایتی فاتحین جیسا حیوانی سلوک نہیں کیا، انھوں نے کسی بھی جنگ میں عورتوں اور بچوں پر ہاتھ نہیں اٹھایا، انھوں نے کسی بھی شہر یا ملک کو فتح کرنے کے بعد شہریوں کے اموال و جائیداد اور عورتوں کو اپنی ملکیت نہیں بنایا اور ان کی عصمت وعفت پر دست درازی نہیں کی؛ بلکہ اسلامی ضابطے کے مطابق اپنے سپہ سالار کی ہدایت پر عمل کیا، یہی وجہ ہے کہ ان کے ایسے کردار سے متاثر ہونے والوں اور پھر دامنِ اسلام سے وابستہ ہونے والوں میں مسلسل اضافہ ہوا اور اسلام اپنی آمد کے بعد بہت ہی کم دنوں میں دنیا بھر کے بیشتر خطوں میں پھیل گیا۔

(۴)

اسلام کی بنیادی تعلیمات (نصوصِ قرآن، احادیثِ کریمہ) اس تصور کو سرے سے مسترد کرتی ہیں کہ اس کی اشاعت میں کسی بھی قسم کی زور زبردستی کا دخل رہا ہے، قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس چیز کو بیان کیا گیا ہے۔

ارشادِ باری ہے:

﴿لا اکراہ فی الدین قدتبین الرشد من الغي،فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا،واللّٰہ سمیع علیم﴾. (البقرہ:۲۵۶)

دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت اور گمراہی دونوں واضح ہیں، پس جو شخص باطل معبودوں کا انکار کر کے ایک خدا پر ایمان لے آیا، اس نے مضبوط چیز کو تھام لیا جو جدا ہونے والی نہیں ہے اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

اس آیتِ کریمہ کے سببِ نزول کو جان لینا بھی دل چسپی سے خالی نہیں۔ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ انصار کے بنی سالم بن عوف کے ایک شخص کے پاس دو بیٹے تھے، جو بعثتِ نبوی سے قبل ہی نصرانی مذہب اختیار کر چکے تھے، ایک زمانے کے بعد وہ دونوں نصرانیوں کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ تجارت کی غرض سے آئے، ان کے والد (جو مسلمان ہو چکے تھے) نے جب انھیں دیکھا، تو ان کے پیچھے پڑ گئے اور کہنے لگے کہ جب تک تم دونوں مسلمان نہیں ہو جاتے، میں تمھیں چھوڑوں گا نہیں، یہاں تک کہ یہ معاملہ نبی پاک ﷺ تک پہنچ گیا، انصاری صحابیؓ نے آپ سے کہا کہ اللہ کے رسول میرے جسم کے ٹکڑے جہنم میں داخل ہوں اور میں دیکھتا رہوں؟ (ایسا نہیں ہوسکتا) اسی موقع پر مندرجۂ بالا آیتِ کریمہ نازل

ہوئی، جس میں یہ واضح کر دیا گیا کہ ایمان اور کفر انسان کا ذاتی معاملہ ہے، کوئی کسی کو ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا؛ چنانچہ انھوں نے اپنے بیٹوں کا راستہ چھوڑ دیا۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ میں نے قول باری تعالیٰ ﴿لا اکراہ فی الدین﴾ کے بارے میں زید بن اسلم سے دریافت کیا، تو انھوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے مکے کی زندگی میں کسی کو مذہبِ اسلام اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا، اس کے باوجود کفار آپ کی جان کے درپے ہو گئے، تو ایسے موقع پر اللہ نے آپ کو ان سے لڑنے کی اجازت مرحمت فرمادی اور لا اکراہ فی الدین کا مطلب یہ ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اس میں داخل ہونے کے لیے کسی کو مجبور کریں۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

﴿افأنت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین﴾. (یونس:۹۹)

کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے کے لیے مجبور کریں گے؟ (یعنی آپ ایسا نہیں کر سکتے)

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿فمن شاء فلیؤمن، ومن شاء فلیکفر﴾. (الکہف:۲۹)

جو چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے وہ کفر کرے۔ (یعنی اپنی مرضی سے جو شخص ایمان قبول کرے گا، اسے اس کا اجر ملے گا اور جو انکار و شرک کا ارتکاب کرے گا، وہ اس کے انجامِ بد سے دوچار ہوگا، اس معاملے میں کسی پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا جائے گا)۔

اس آیت سے صریح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر انسان کے اختیار اور رضامندی کا معاملہ ہے کہ جونسا مذہب چاہے ،اختیار کرے اور جسے چاہے ترک کردے، ہاں! بتقاضائے مصلحتِ انسانی و مقصدِ تخلیقِ انسانی اللہ تبارک و تعالیٰ کو دینِ وحدانیت پسندیدہ ہے، وہ ایمان و اسلام کو پسند کرتا ہے اور اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے، جب کہ کفر سے روکتا ہے اور اس کے بدترین نتائج سے لوگوں کو باخبر کرتا ہے، قرآن کریم میں اس مفہوم کی آیتیں بکثرت پائی جاتی ہیں، اسلام کے ایک آخری پسندیدہ اور مکمل مذہب ہونے کی وجہ سے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے مذہب کے معاملے میں انسانوں کو اختیار دینے کے باوجود فرمایا ہے:

﴿انا اعتدنا للظالمین ناراً احاط بھم سرادقھا﴾. (الکہف:۲۹)

ہم نے کافروں کے لیے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے، جس کی طنابیں انھیں چاروں جانب سے گھیر لیں گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرانا اور اس کی وحدانیت کا انکار کرنا انسانی تاریخ کا سب سے بڑا ظلم ہے؛ اس لیے قرآن میں جو مذہب کے حوالے سے عدمِ اکراہ اور تخییر کی بات آئی ہے، اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ کفر و شرک کرنا جائز ہے یا اللہ تبارک وتعالیٰ ایسا کرنے والوں سے بھی راضی ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، یہی وجہ ہے کہ علمائے تفسیر نے مذکورہ بالا آیتوں کو تہدید اور وعید پر مشتمل قرار دیا ہے، حتی کہ بہت سے علمائے بلاغت تہدید و وعید کے مواقع پر بطور مثال کے ان ہی آیتوں کو پیش کرتے ہیں، پس معلوم ہوا کہ گو یہ آیتیں اپنی ظاہری نص کے اعتبار سے تخییر کے معنیٰ پر مشتمل ہیں؛ لیکن یہ تخییر ایسی ہے

کہ جس میں تہدید اور دھمکی کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے، ان آیتوں سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں مذہب کے معاملے میں کسی پر کوئی جبر اور زبردستی نہیں کی جائے گی؛ لیکن اس سے یہ ہرگز سمجھا جائے کہ اسلام کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے تمام موجودہ مذاہب حق پر ہیں اور انسان جس مذہب پر بھی چاہے اعتقاد رکھے اور اسی کے مطابق زندگی گزارے، ایسا ہرگز بھی نہیں ہے۔ ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کرنے کی سزا تو ملنی ہی ہے۔

احادیث میں بھی اس مفہوم کی روایتیں پائی جاتی ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے:

امام مسلم نے اپنی صحیح میں اپنی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی پاک ﷺ جب بھی کسی شخص کو کسی اسلامی فوج کا امیر اور سپہ سالار بناتے، تو اسے تقویٰ اختیار کرنے اور ساتھی مجاہدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کرتے، پھر فرماتے ''اللہ کے راستے میں اللہ کا نام لے کر لڑو، کافروں سے قتال کرو، لڑو اور دھوکہ وفریب نہ کرو، لاشوں کا مثلہ نہ کرو، کسی نوزائیدہ بچے کو قتل نہ کرو اور جب بھی کسی مشرک قوم سے مقابلہ ہو، تو اسے تین باتوں کی دعوت دو، پھر وہ ان میں سے جس بات کو بھی قبول کرلے، تو تم اسے چھوڑ دو، پھر تم اسے اسلام کی دعوت دو، پس اگر وہ اسلام قبول کرلے، تو تم بھی انھیں قبول کرلو اور انھیں کسی قسم کا گزند نہ پہنچاؤ اور اگر وہ لوگ انکار کریں، تو ان سے جزیہ مانگو، اگر وہ جزیہ دینے کے لیے تیار ہو جائیں، تو انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور اگر وہ جزیہ دینے کے لیے بھی آمادہ نہ ہوں، تو پھر تم اللہ کی نصرت ومدد طلب کرو اور ان سے قتال کرو''۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی نے مسلمانوں کو اسی وقت کافروں

سے لڑنے کی اجازت دی، جب امن اور صلح کی کوئی راہ باقی نہ رہے اور قطعی طور پر یہ ثابت ہوجائے کہ کفار ومشرکین اپنے کبر وغرور اور خدا بیزاری میں حد سے گزرے ہوئے ہیں، ہاں اس ذیل میں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جزیہ لوگوں کو اسلام پر مجبور کرنے کے لیے نہیں؛ بلکہ یہ اسلامی مملکت وحکومت کے ذریعے ان کی خدمات، حفاظتی تدابیر اور نگہہ داشت کے عوض ہے، اسلامی تاریخ میں اس کی ایک واضح ترین اور سب سے بڑی دلیل وہ واقعہ ہے، جسے علامہ بلاذری نے اپنی کتاب ''فتوح البلدان'' میں نقل کیا ہے کہ جب ہرقل نے مسلمانوں سے مقابلے کے لیے اپنے لوگوں کو اکٹھا کیا اور یرموک کا واقعہ پیش آیا، تو مسلمانوں نے حمص کے عیسائیوں سے لیا ہوا جزیہ واپس کردینے کا فیصلہ کیا اور ان سے کہا کہ ہم تمھاری حفاظت اور مدد نہیں کرسکے؛ لہذا تم خود اپنا انتظام کرلو اور ہم تم سے لیا ہوا مال واپس کیے دیتے ہیں، تو حمص والوں نے کہا کہ تمھاری ولایت اور انصاف ہمارے لیے ہمارے بادشاہ کے ظلم وجور سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے اور ہم سب تمھاری فوج اور سپہ سالار کے ساتھ مل کر ہرقل کی فوج کا مقابلہ کریں گے، اسی طرح دوسرے شہروں کے ان یہود ونصاریٰ نے بھی یہی بات کہی، جن سے مسلمانوں نے صلح کررکھی تھی، ان سب نے کہا کہ اگر روم کا بادشاہ اور اس کی فوج ہم پر غالب آجاتی ہے، تو ہمیں پھر پہلے جیسے برے دن ہی دیکھنے پڑیں گے اور جب تک ہم مسلمانوں کی حفاظت میں ہیں، اپنی اپنی زندگی جینے کے لیے آزاد ہیں۔

اگر اس موقع پر کسی شخص کو اللہ کے نبی ﷺ کے اس قول 'أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لااله الااللّٰه وأن محمدارسول اللّٰه' کے حوالے سے کوئی اشکال ہو اور وہ کہے کہ اللہ کے نبی تو یہ فرمارہے ہیں کہ مجھے اس وقت تک کافروں سے لڑنے کا حکم دیا گیا

ہے، جب تک وہ سب کے سب اسلام قبول نہ کرلیں، تو پھر یہ مصالحت اور کافروں کو اپنے مذہب پر برقرار رکھنے والی بات کیسے مان لی جائے؟ تو محدثین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نبی پاک ﷺ کا یہ قول ایک خاص پس منظر میں ہے اور اس سے مراد عرب کے بت پرست ہیں، رہی بات یہود و نصاریٰ جیسے اہلِ کتاب کی، تو ان کے ساتھ تو وہی معاملہ کیا جائے گا، جس کی صراحت گذشتہ حدیث میں ہوئی ہے، ویسے بہت سے محدثین، مثلاً امام مالکؒ اور اوزاعیؒ مشرکینِ عرب سے بھی اسی مذکورہ اصول کے مطابق عمل کرنے کے قائل ہیں، یعنی انھیں بھی اسلام پیش کیا جائے گا، نہ مانیں، تو اسلامی قلم رو میں رہنے کے عوض جزیہ طلب کیا جائے گا اور اگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہوں، تو پھر ان سے قتال کیا جائے گا۔

اگر ہم غور کریں تو امام مالکؒ و اوزاعیؒ کا مسلک اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور کے پس منظر میں غلط بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ فتحِ مکہ تک جو لوگ کفر و شرک پر جمے ہوئے تھے، انھوں نے اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے کی تمام تر کوششیں کرلی تھیں، پھر یہ کہ وہ لوگ تو نبی پاک ﷺ کی صداقت و حقانیت کو دوسرے تمام خطوں کے لوگوں سے زیادہ جانتے اور سمجھتے تھے؛ کیوں کہ خود نبی پاک ﷺ بھی عربی النسب اور ان ہی کے وطن اور قوم کے فرد تھے اور جو قرآن آپ پر اتارا گیا تھا، وہ بھی ان ہی کی زبان عربی میں اتارا گیا تھا، تو اس طرح حق تو ان کی نگاہوں کے سامنے بالکل واضح اور صاف تھا، اگر وہ اس کے باوجود ایمان نہیں لائے، تو اس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ راہِ حق سے خود بھی سرگرداں تھے اور متبعینِ حق کو ان کے راستے سے ہٹانے اور بھٹکانے پر بھی تلے ہوئے تھے۔ مزید یہ کہ شرک اور کفر سراسر ایک باطل مذہب ہے اور باطل مذاہب کے پیروکاروں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ

وہ حق کے خلاف پوری قوت سے اٹھ کھڑے ہوتے اور حق پرستوں کو دبانے اور مٹانے کے لیے تمام تر تدبیریں بروئے کار لاتے ہیں، ماضی میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور عصرِ حاضر میں بھی یہ سلسلہ پوری قوت کے ساتھ جاری وساری ہے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج دنیا میں جو قومیں متمدن اور ترقی یافتہ سمجھی جاتی ہیں، وہ اپنی شان وشوکت کے تحفظ کی خاطر کیا کیا نہیں کر رہی ہیں، صرف اپنے مفادات کی خاطر آئے دن لاکھوں انسانوں کی جانیں لے رہی ہیں، ملکوں کو تاراج اور شہروں کو برباد اور نیست ونابود کر رہی ہیں؛ لیکن چوں کہ دانش وبینش اور فکر وعقل کے پیمانے بدل چکے ہیں؛ اس لیے ان پر تو کوئی بھی اشکال نہیں کرتا، کیا اپنا سرِ پُرغرور اونچا رکھنے کے لیے ان کی یہ انسانیت کش کارروائیاں حلال ہیں، جب کہ یہی اگر کوئی اور قوم اپنے تحفظ کی خاطر کرتی ہے، تو اس کے لیے حرام قرار دیا جاتا ہے۔

فتحِ مکہ کے بعد عرب کے بیشتر افراد اور قبائل اسلام کی حقانیت کو سمجھ لینے کے بعد اس کے دامن سے وابستہ ہو چکے تھے، ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم تھی، جو تاہنوز اپنے کفر پر اڑے ہوئے تھے، ایسے میں ان کے ساتھ جو بھی کیا گیا، وہ ظلم ہرگز نہیں تھا، وہ عین انصاف تھا اور اس سے اسلام کے خلاف افترا پردازی کرنے والوں کو دلیل پکڑنے کا کوئی جواز نہیں ملتا۔

(۵)

پھر بہتان طرازوں کو اگر سیرتِ نبوی کا یہ پہلو سمجھ میں آجائے، جو سراسر عفو ودرگذر اور رحمت ومسامحت پر مشتمل ہے، تو شاید ہی وہ اس کی جرأت کر سکیں۔ کیا آپ ﷺ نے جنگی قیدیوں کو کبھی بھی اسلام لانے پر مجبور کیا؟ کبھی نہیں؛ بلکہ آپ ﷺ نے انھیں ان کے حال پر

چھوڑ دیا۔مثال کے طور پر قبیلۂ بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنفیؓ کا واقعہ لے لیجیے، جنھیں مسلمانوں نے کسی سریہ میں گرفتار کرلیا تھا، وہ لوگ انھیں پہچانتے بھی نہیں تھے، صحابۂ کرامؓ انھیں پکڑ کر آپ کی خدمت میں لائے، جب آپ نے انھیں دیکھا، تو فوراً پہچان گئے کہ یہ تو اپنے قبیلے کے سردار ہیں، آپ ﷺ نے انھیں ان کے حسبِ مقام عزت واحترام دیا، انھیں تین دن تک اپنے یہاں ٹھہرائے رکھا، ہر دن انھیں اسلام کی دعوت دی جاتی اور وہ انکار کردیتے، وہ آپ ﷺ سے یہ کہتے کہ اگر آپ کو مجھ سے مال چاہیے، تو میں دینے کو تیار ہوں اور اگر آپ مجھے قتل کردیتے ہیں، تو ایک خون والے شخص کا قتل کریں گے (یعنی آپ کو جنگ کے اصول کے مطابق اس کا بھی اختیار ہے کہ آپ مجھے قتل کردیں) اور اگر آپ مجھ پر احسان کرتے ہیں، تو آپ ایک احسان شناس شخص پر احسان کریں گے (یعنی میں آپ کے احسان کا بدلہ چکادوں گا)، مگر نبی پاک ﷺ ان کی ان باتوں پر دھیان دیے بغیر انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے، یہاں تک کہ نبی پاک ﷺ اور مسلمانوں کی نرم خوئی اور حسنِ سلوک نے ثمامہ کے دل کو نرم کردیا، چنانچہ وہ گئے، غسل کیا، پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوری خوش دلی اور اطمینانِ قلب کے ساتھ ایمان قبول کرلیا اور آپ ﷺ سے کہا ''اے محمد ﷺ روئے زمین پر آپ سے زیادہ مبغوض میری نگاہوں میں کوئی نہیں تھا، لیکن اب روئے زمین پر آپ سے زیادہ محبوب شخص میری نگاہوں میں کوئی نہیں ہے، بخدا! پہلے روئے زمین پر آپ کے لائے ہوئے مذہب سے زیادہ ناپسندیدہ میرے نزدیک کوئی مذہب نہیں تھا، لیکن اب آپ کا لایا ہوا دین اور مذہب میرے نزدیک سب سے پسندیدہ اور محبوب بن چکا ہے، پہلے آپ کے شہر سے زیادہ ناپسندیدہ میرے لیے کوئی بھی شہر نہیں تھا، مگر اب آپ کے شہر سے

زیادہ محبوب اور پسندیدہ بھی کوئی شہر نہیں‘‘۔

آپ ﷺ کو ان کے اسلام لانے سے بڑی خوشی ہوئی، کیوں کہ وہ قبیلے کے سردار تھے اور بعد میں ان کی اتباع میں ان کے قبیلے اور قوم کے بہت سے افراد نے اسلام قبول کرلیا، پھر نبی پاک ﷺ کی مسامحت اور نرمی کا یہ معاملہ صرف ثمامہ اور ان کی قوم تک ہی محدود نہیں رہ گیا؛ بلکہ یہ آگے بڑھ کر ان لوگوں تک بھی پہنچ گیا، جو مسلمانوں کے روایتی اور پکے دشمن تھے، ہوا یوں کہ جب ثمامہ اور ان کی قوم اسلام لے آئے اور اسلام لانے کے بعد یہ لوگ اپنے وطن واپس لوٹے، تو اولاً تو مکہ والوں نے انھیں بھی تنگ کرنا چاہا، مگر چوں کہ یمامہ کے غلہ جات ہی سے ان کی گزر بسر ہوتی تھی؛ اس لیے انھوں نے اپنا ارادہ منسوخ کردیا، لیکن ثمامہ نے مسلمانوں پر ان کے مظالم کا بدلہ لینے کی غرض سے ان کو غلہ نہ دینے کی قسم کھالی، اب مکہ والے زبردست مصیبت میں پھنس گئے، انھیں کوئی راہ اس مشکل سے نکلنے کی نظر نہ آتی تھی، بالآخر انھیں ایک امید گاہ نظر آئی اور وہ خواہی نخواہی آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے، معاملہ بتایا اور سفارش کی درخواست کی۔ ایسے موقعے پر دنیا کا عام قسم کا قائد، فاتح یا مصلح کیا کرتا، یہ کوئی بھی باعقل شخص سمجھ سکتا ہے؛ لیکن ہمارے نبی ﷺ نے وہ نہیں کیا، آپ نے ثمامہ کو اپنی قسم پر برقرار رہنے اور مکہ والوں کو ایمان لانے پر مجبور کرنے کو نہیں کہا، نہ خود آپ نے اس وقت مکہ والوں کو اس قسم کی کوئی بات کہی؛ بلکہ آپ نے ثمامہ کو خبر بھجوائی کہ مکہ والوں تک غلہ رسانی کا سابقہ نظام جاری رکھو۔ کیا انسانی دنیا کا کوئی بھی مذہب کشادہ ظرفی اور انسانیت نوازی کی ایسی مثال پیش کرسکتا ہے؟

حضرت ثمامہ نبی پاک ﷺ کے ذاتی کردار اور مسلمانوں کے حسنِ سلوک اور

اسلام کی حقانیت سے کس قدر متاثر ہوئے تھے،اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپؐ کی وفات کے بعد یمامہ میں مسیلمہ کذاب کا فتنہ ظہور پذیر ہوا اور بہت سے لوگ مرتد ہوگئے،تو بھی ثمامہ اوران کے متبعین نے ارتداد کی راہ نہیں اختیار کی، وہ پکڑ پکڑ کر مسیلمہ کے جھوٹے دعوی نبوت پر ایمان لانے والوں کو سمجھاتے اور چیخ چیخ کر لوگوں کو کہتے ''تم اس تاریکی سے بچو،جس میں روشنی کا شائبہ تک نہیں ہے،اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے یہ فتنہ اپنے متبعین کے لیے لعنت ومحرومی کا سبب ہے اورنہ ماننے والوں کے لیے وقتی آزمایش ہے''لیکن جب ان کے اس اعلانِ عام کے باوجود مرتدین نے ان کی بات نہیں مانی،تو ثمامہ اپنے لوگوں کو لے کر علاء بن حضرمی کے پاس چلے گئے اور پھر مسیلمہ اوراس کی جھوٹی نبوت کو ماننے والوں کی اچھی طرح خبر لی۔

ایک اورواقعہ

جب آپ ﷺ نے مکہ فتح کرلیااور مسلمان اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص نصرت اور مدد کی بدولت مکہ میں داخل ہوگئے،تو وہاں پہنچنے کے بعد اولاً تو آپ نے عفوِ عام کا اعلان کردیا،مگر کچھ ایسے لوگ تھے،جو ماضی میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت اور ایذا رسانیوں میں بڑا نام پیدا کیے ہوئے تھے اورانھوں نے مسلمانوں کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی تھیں،ایسے لوگوں کے بارے میں آپ نے اعلان یہ کیا کہ وہ یا تو مکہ چھوڑ کر نکل جائیں یا مسلمان انھیں جہاں بھی دیکھیں قتل کردیں،ان کے لیے ان کے سنگین جرائم کی وجہ سے معافی کی کوئی گنجایش نہیں تھی، ایسے ہی لوگوں میں سے ایک صفوان بن امیہ بھی تھے،جب ان کو معاملے کی بھنک لگی،تو وہ چھپ گئے؛ بلکہ انھوں نے گھبراہٹ کے عالم میں خودکشی کا ارادہ

کرلیا، اتنے میں ان کے چچازاد بھائی عمیر بن وہب جمحی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور انھوں نے آپ سے کہا ''اللہ کے رسول! صفوان اپنی قوم کا سردار ہے اور وہ اپنے آپ کو سمندر میں غرق کرکے ہلاک کرنے جا رہا ہے، آپ ﷺ اسے امان دے دیں''، نبی پاک ﷺ نے ان کی یہ بات سن کر اپنا عمامۂ مبارک اتارا اور ان کے سپرد کردیا، یہ اس بات کی علامت تھی کہ آپ نے صفوان کو امان دے دی، عمیر عمامہ لیے ہوئے سیدھے صفوان کے پاس پہنچے اور ان سے کہا ''میرے ماں باپ تجھ پر وارے جائیں، میں تمھارے پاس دنیا کے افضل ترین، سب سے زیادہ با اخلاق، سب سے زیادہ بردبار، سب سے بہتر شخص کے پاس سے آرہا ہوں، وہ تمھارے چچازاد ہیں، ان کی عزت تمھاری عزت ہوگی، ان کا شرف تمھارا شرف ہوگا اور ان کی سلطنت تمھاری سلطنت ہوگی۔'' صفوان نے ان کی بات سن کر کہا ''نہیں مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے۔'' تو عمیر نے ان سے کہا: ''نہیں تمھیں کوئی خطرہ نہیں، آپ ﷺ کی بردباری اور شرافتِ نفس کا تم اندازہ بھی لگا سکتے، انھوں نے تمھیں امان بھی دی ہے اور اس کی علامت بھی میرے پاس بھجوائی ہے اور پھر انھوں نے صفوان کو نبی پاک ﷺ کا عمامہ دکھلایا۔ تب جا کر صفوان کو یقین آیا، مگر اب بھی کچھ نہ کچھ خلش باقی تھی، چنانچہ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں پہنچنے کے بعد صفوان نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ عمیر یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ''اس کی بات درست ہے۔'' پھر انھوں نے کہا: ''کیا آپ مجھے (مذہب کے سلسلے میں غور کرنے کے لیے) دو مہینے کی مہلت دیں گے؟'' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دو نہیں، ہم تمھیں چار مہینوں کی مہلت دیتے ہیں'' بالآخر صفوان نے بھی اسلام قبول کرلیا اور صحابہ کی مقدس جماعت میں وہ بھی شمار

کیے گئے۔

اس سارے واقعے کے پسِ منظر سے واقفیت کے بعد بھی کوئی شخص اگر یہ کہتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، تو یہ اس کے دماغ کا فتور ہے اور کچھ بھی نہیں۔

(۶)

جو لوگ بھی اسلام کے خلاف اس قسم کا پروپگنڈہ کرتے ہیں، خود وہ بھی اس بات کو تسلیم کریں گے کہ اگر کسی آدمی سے کوئی بات زبردستی منوالی جائے، تو موقع ملتے ہی وہ شخص اس کا انکار کرنے لگتا اور جب بھی اسے طاقت وقوت حاصل ہوتی ہے، وہ فریقِ مقابل پر چڑھ دوڑتا ہے، مگر ہمیں اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ جب نبی پاک ﷺ کی رحلت ہوگئی، تو بہت معمولی اور غیر معتد بہ جماعت کے علاوہ اکثر مسلمان اسی مذہب پر قائم رہے، جس پر محمد ﷺ انھیں چھوڑ گئے تھے، یہی نہیں وہ سب کے سب اپنے نبی کی چھیڑی ہوئی تحریک کو لے کر آگے بڑھے اور ان کے نبی نے اپنے آخری سفرِ حج میں انھیں جس امانت کی ادائیگی پر مقرر کیا تھا، اسے بخوبی اور پوری دیانت داری کے ساتھ اس کے حق داروں تک پہنچایا۔ اس راہ میں انھیں مخالفین سے لڑنے اور جنگ کرنے کی نوبت آئی، تو اس سے بھی پیچھے نہ ہٹے اور بالآخر نبی ﷺ کی وفات پر ایک صدی سے بھی کم عرصہ گزرا تھا کہ انھوں نے اسلام کو دنیا بھر کے بیشتر خطوں تک پہنچادیا۔ اس مہم میں پیش آنے والی معرکہ آرائیوں میں ان عربوں نے جس دیدہ وری اور جان وتن سے بے پروائی کا مظاہرہ کیا، اسے دیکھتے ہوئے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے دین پر کسی کو بھی زبردستی ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا تھا؛ بلکہ انھوں نے انتہائی خوش دلی، اطمینانِ قلب اور برضا ورغبت اسلام قبول کیا تھا اور یہی وجہ تھی

انھوں نے اس دین کے تحفظ کی خاطر آپ ﷺ کی زندگی میں بڑی سے بڑی قربانیاں ہنستے کھیلتے دیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی دنیا کے کسی بھی کافر ومشرک اور وقت کے ظالم و جابر بادشاہ کا سرِ پرغوران کے ایمانی جلال اور طاقت وقوت کے سامنے بلند ہونے کی جرأت نہ کرسکا۔

(۷)

پھر بعد کے زمانوں میں جب اپنی سیہ کاریوں اور عملی زوال کی وجہ سے مسلمانوں کی سیاسی برتری جاتی رہی اور دنیا بھر سے ان کی حکومت وسیادت چھین کر قدرت نے غیروں کے ہاتھوں میں تھمادی، تاتاریوں نے مسلمانوں کو تہہ وبالا کیا، صلیبیوں نے مکروسازش اور ظلم وجور کے کھیل کھیلے اور اب گزشتہ صدی سے سامراجیت دنیا پر اپنا نقشہ جمائے اور مسلمانوں اور اسلام کے خلاف مصروفِ تدبیر ومنصوبہ بند ہے اور مجموعی طور پر مسلمانوں کی کوئی ظاہری طاقت وقوت نہیں، نام نہاد اسلامی مملکتوں میں انتشار وخلفشار ہے، مسلم قیادت جاں بلب ہے، مسلمانوں کے علمی وسائنسی سوتے تقریباً خشک ہوچکے ہیں، عالمی معیشت سامراجی نظام کے علم برداروں کے ہاتھ میں ہے، عالمی سیاست کی گاڑی ان ہی کی بنائی ہوئی پٹری پر چل رہی ہے، دنیا بھر کو قرض فراہم کرنے والا عالمی بینک ان کے پاس ہے، تہذیب وثقافت اور ترقی وعروج کے ہزار وسائل، نعرے، منزلیں اور سنگ ہائے میل ''خوش قسمتی'' سے ان کی پابوسی کررہے ہیں، مگر اس سب کے باوصف کوئی بتائے کہ کیا دنیا بھر کی مسلمان نسل اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی طرف رخ کررہی ہے، یہ تو روزانہ ہورہا ہے کہ دنیا بھر کے ملکوں میں اسلام کا مطالعہ کرنے والوں، اس کے حقائق تک رسائی حاصل کرنے والوں اور اس کی

خوبیوں سے متاثر ہوکر اس کے دامن میں پناہ لینے والوں کی تعداد میں لگا تار اور روز افزوں اضافہ ہورہا ہے، مگر کہیں سے ایک بھی ایسی خبر نہیں کہ مسلمان اپنے دین سے بیزار ہوکر یا کسی دوسرے دین اور مذہب کی خوبی سے متاثر ہوکر اس کی جانب مائل ہوگئے ہوں، یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کے آباواجداد نے بھی دل کی گہرائی اور روح کے اطمینان کے ساتھ ایمان کو قبول کیا تھا اور وہ بھی اپنے اندر پائی جانے والی ہزار خامیوں کے باوجود اس مذہب کی صحت وصداقت کو دل وجان سے مانتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔

فی الوقت عالمی سطح کے تمام سرکاری وغیر سرکاری سروے کی رپورٹوں سے یہ پتا چل رہا ہے کے دنیا بھر میں اور خصوصاً ان ملکوں میں ، جہاں اسلام مخالف تحریکوں کو ہوا دی جاتی؛ بلکہ جہاں سے ایسی تحریکوں کے بدبودار چشمے اُبلتے ہیں، ان ملکوں میں مسلمانوں کی تعداد لگا تار بڑھ رہی ہے، مغربی معاشرہ اور وہاں کے اصول و اقدار نے لوگوں کو اس قدر پریشان اور بے چین کر رکھا ہے کہ وہ اسلام کے خلاف ہزار بہتان طرازیوں کے باوجود اس کی سچائیوں کا پوری غیر جانب داری کے ساتھ مطالعہ کرتے اور پھر اس کے دامن سے وابستہ ہوجاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان خطوں کے ایسے لوگوں کو تو کوئی بھی مسلم داعی یا مبلغ یا حکومت اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کر رہی۔

پھر آج دنیا کے جو ممالک سب سے زیادہ مسلم آبادی والے شمار کیے جاتے ہیں، ان کی تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ وہاں کبھی مسلمانوں نے فوج کشی نہیں کی، ان مقامات پر اسلام کی اشاعت کا ذریعہ مسلم تاجروں، علما کے اخلاق وعادات اور اسلام کی شفاف تعلیمات رہی ہیں، مثلاً انڈونیشیا، چین، افریقہ کے متعدد ممالک، یورپی ممالک اور امریکہ میں جو

مسلمانوں کی تعداد لگا تار بڑھ رہی ہے، تو کیا ان لوگوں کو تلوار کے زور پر اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کیا جارہا ہے؟ اسلام پر انتہا پسندی وتشدد کا الزام لگانے والوں کو مغرب کے ان نو مسلموں سے تحقیق کرنی چاہیے اور پوچھنا چاہیے کہ انھوں نے اپنے سابق مذہب سے توبہ کر کے اسلام کو کیوں اپنالیا؟ تب انھیں یقیناً اصل حقیقت کا پتا چل جائے گا۔

ان تمام خطوں میں اسلام اپنی سماحت، اعتدال پسندی، اپنے فطری اور انسانی ذہن وفکر کو اپیل کرنے والے اصول کی وجہ سے پھیلا ہے اور پھیل رہا ہے، ہمیں روزانہ اسلام کے دائرے میں آنے والوں کی خبریں مل رہی ہیں، پھر جو لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، وہ کبھی اس سے بیزاری یا دست برداری کا تصور بھی نہیں کرتے؛ حالاں کہ عصرِ حاضر کے پشتینی مسلمان تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کے اپنے فریضے کو ادا کرنے میں اس دل چسپی اور سنجیدگی کا مظاہرہ بھی نہیں کر رہے، جو ان سے اسلام چاہتا اور جس کی نبی پاک ﷺ نے اپنے آخری دور میں انھیں تلقین کی تھی، جس قدر اہمیت اور سرگرمی کے ساتھ عیسائی مشنریز اپنے نظریات وخیالات وعقائد کی تبلیغ واشاعت میں جدوجہد صرف کر رہی ہیں، اگر مسلمان اس کا عشرِ عشیر بھی کریں، تو سال بسال اسلام لانے والوں کی تعداد نہ معلوم کس برق رفتاری اور کثرت کے ساتھ بڑھنے لگے۔

اسلام اور اس کی اشاعت کے حوالے سے یہ وہ حقائق ہیں، جنھیں کوئی بھی غیر جانب دار انسان تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا، اگر ان کے باوجود دشمنانِ اسلام جھوٹے پروپگنڈوں میں مصروف ہیں اور وہ دنیا میں اسلام کی شبیہ کو بگاڑنے اور پیغمبر اسلام اور قرآن کی تعلیمات میں تحریف کر کے دنیا کو گمراہ کرنے کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں، تو ایسے لوگوں کے

بارے میں تو ہم وہی کہیں گے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی لاثانی معجزاتی کتاب قرآن کریم میں فرمایا ہے:

﴿کبرت کلمة تخرج من أفواههم،ان یقولون الا کذبا﴾. (الکہف:۵)

ان کو اس بات کا کچھ علم نہیں اور نہ ان کے باپ دادا پی کو تھا۔ (یہ) بڑی سخت بات ہے، جو ان کے منہ سے نکلتی ہے اور (کچھ شک نہیں) کہ یہ جو کہتے ہیں، محض جھوٹ ہے۔

(ندیم احمد)

☆☆☆



حالاتِ حاضرہ

گؤ ذبیحہ کے نام پر ڈابھیل میں خوف ودہشت

شکیل رشید

فیچر ایڈیٹر روزنامہ اردو ٹائمز، ممبئی



☆ڈابھیل سے لوٹ کر پیش کردہ رپورٹ ☆

خوف ودہشت کے سائے میں جیتی عورتیں، مرد اور بچے!

بقرعید کے دوسرے دن، گئوذبیحہ کی افواہ اور پولس کی گولی باری سے شروع ہونے والا ہنگامہ

کیسے مسلمانوں کو ہراساں کرنے کے لیے پولس کا ہتھیار بن گیا؟

عالیہ رنگریز ڈیڑھ سال کی بچی ہے۔

دس دنوں سے عالیہ کی ماں ہاجرہ رنگریز سلاخوں کے پیچھے ہے۔ باپ رنگائی کے کام پر صبح ہی گھر سے نکل جاتا ہے۔ اگر کام سے وقت بچتا بھی ہے تو اپنی بیوی کو قید سے چھڑانے کے لیے دوڑ بھاگ کرنے میں وہ وقت بیت جاتا ہے۔ گھر میں عالیہ کی نگہداشت کی ساری ذمہ داری بوڑھی دادی سلیمہ کے کندھوں پر آپڑی ہے جن کی آنکھیں اب ہر وقت آنسوؤں سے بھری رہتی ہیں۔

یہ گجرات کے ضلع نوساری کے مشہور ومعروف گاؤں ڈابھیل کے اُن مظلومین کی صرف ایک تصویر ہے جو 7/اکتوبر سے پولس اور انتظامیہ کی زیادتیوں کے شکار ہیں۔ ڈابھیل ' وہ گاؤں ہے جو کبھی حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا یوسف بنوریؒ اور ایسے ہی بے شمار دوسرے ائمہ کرام کا مرکز اور مسکن رہا ہے، اور آج بھی مولانا احمد بزرگ اور مفتی احمد خانپوری جیسے جلیل القدر علماء وفضلاء بستے ہیں، جس کی فضا قال اللہ اور قال الرسولؐ کی صداؤں سے گونجتی رہی ہیں اور جہاں مشہور ومعروف 'جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین' کی برکت سے رحمت کی گھٹائیں چھائی رہی ہیں، لیکن اب سارے ڈابھیل پر خوف وہراس کی ایسی فضا چھائی ہوئی ہے جسے اس گاؤں کے ہر محلے میں قدم رکھتے ہوئے محسوس کیا جاسکتا ہے۔

مَیں ڈابھیل' 10/نومبر کے روز پہنچا تھا۔ یہ پیر کا دن تھا۔ اس سے ایک روز قبل یعنی 9/نومبر اتوار کی شام پولس ڈابھیل کے اونچا محلّہ میں گھسی تھی اور فاطمہ شفیع موہتا نامی ایک 40 سالہ خاتون کو گھسیٹ کر جیپ میں ڈال کر یہ بتائے بغیر لے گئی تھی کہ اس کا قصور

کیا ہے! فاطمہ تین بچوں کی ماں ہے، اس کی سگی ماں 72 رسالہ رشیدہ روتے روتے بتاتی ہیں کہ ''پولس والے آئے اور ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے میری بیٹی کو جیپ میں بٹھایا اور لے کر چلے گئے۔'' یہ دریافت کرنے پر کہ کیا 'لیڈیز پولس' تھی' پتہ چلا کہ تمام پولس والے 'مرد' تھے ان کے ساتھ کوئی خاتون نہیں تھی حالانکہ قانوناً شام کے 6 بجے کے بعد بغیر کسی خاتون پولس والی کے کسی بھی عورت کو حراست میں نہیں لیا جاسکتا۔

ڈابھیل کے اونچا محلّہ میں اس وقت صرف عورتیں نظر آتی ہیں' جو بے حد ڈری اور سہمی ہوئی ہیں۔ کچھ ضعیف العمر مرد بھی نظر آتے ہیں لیکن نوجوان گرفتاری کے خوف سے اِدھر اُدھر منہ چھپائے پھرتے ہیں۔ حفصہ نامی ایک عمر دراز خاتون بتاتی ہیں کہ ''پولس والے آکر پریشان کرتے ہیں، ہم عورتوں سے کہتے ہیں کہ پولس سے مار پیٹ میں تم سب شامل تھیں، ہم سے پوچھتے ہیں کہ تمہاری زمین کہاں ہے، تمہاری کھیتیاں کہاں ہیں، پھر یہ دھمکی دیتے ہیں کہ ہم تمہارے کھیت جلادیں گے اور سب برباد کردیں گے۔'' ایک خاتون مزید بتاتی ہیں کہ ''پولس والے دھمکاتے ہیں کہ تمام عورتوں کو اٹھا کر لے جائیں گے۔''

پولس کی دھمکی صرف دھمکی نہیں ہے۔

اب تک 60 رافراد حراست میں لے گئے ہیں جن میں تقریباً پندرہ عورتیں ہیں۔ عورتوں کے خوف و دہشت کی وجہ بھی سامنے ہے۔ اونچا محلّہ کے 45 رسالہ اسماعیل کو 13 راکتوبر کے روز پولس نے گرفتار کیا تھا۔ اس روز جب پولس اسماعیل کے مکان میں گھسی تو گھر کی عورتوں کے بقول ''فریج کھول کر اس میں سے انہوں نے گوشت نکالا اور آگ میں ڈال کر جلادیا اور جو کھانا ہم نے پکایا تھا اس پر مٹی کا تیل انڈیل دیا۔'' بغل کے گھوڑا محلّہ جب

پولس پہنچی تو بندوقوں کے کندوں سے دروازوں اور کھڑکیوں پر ایسے وار کیے کہ وہ ٹوٹ گئے ۔پھر پولس نے نوی نگری محلّہ کا رخ کیا اور وہاں بھی دہشت اور بربریت کا مظاہرہ کیا۔ 7/اکتوبر سے ڈابھیل کے لوگوں کو خوفزدہ اور ہراساں کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا گیا تھا وہ تادم تحریر جاری ہے۔ 9/نومبر اتوار کے روز پولس نے ڈابھیل سے لگے ہوئے آشنا گاؤں پر چھاپہ مار کر ایک 67 سالہ بزرگ ریاض کپاڈیہ کو بھی گرفتار کیا تھا۔ پولس کسی کو نہیں چھوڑ رہی ہے۔ مسلم لیڈر کو بھی نہیں۔ شاہدہ عثمانی کانگریسی لیڈر اور تعلقہ ممبر ہیں، وہ بھی جیل میں ہیں ،جب ان کے شوہر زاہد عثمانی یہ پوچھنے کے لیے کہ بھلا ان کی اہلیہ کو کیوں گرفتار کیا گیا ہے، حکام کے پاس پہنچے تو انہیں بھی پکڑ کر جیل میں ڈال دیا گیا۔ پولس کا دعویٰ ہے کہ جنہیں گرفتار کیا گیا ہے وہ سب کے سب 'مجرم' ہیں، انہوں نے پولس پر حملہ کیا ہے، گائے کا ذبیحہ کیا ہے اور مجرموں کو 'پناہ' دی ہے۔ جو گرفتار ہیں وہ تو ہیں ہی، پولس نے تقریباً 125/افراد کی ایک فہرست اور تیار کر رکھی ہے، جس میں ان کے نام شامل ہیں جنہیں مذکورہ الزامات کے تحت گرفتار کیا جانا ہے۔ پولس کے مطابق یہ سب کے سب یا تو روپوش ہیں یا مفرور ہیں۔ ایک دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ اس فہرست میں بہت سے ایسے نام بھی ہیں جو یا تو فوت ہو چکے ہیں یا برسوں سے بیرون ملک میں مقیم ہیں!

یہ سب کیسے شروع ہوا؟ یہ سوال اہم بھی ہے اور قابلِ غور بھی۔ اہم اس لیے کہ اس سوال کے جواب سے جہاں پولس کی عصبیت اور جانبداری واضح ہوتی ہے وہیں اس سوال کے جواب سے یہ سچائی بھی ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ڈابھیل کے مسلمان بھی ساری دنیا کے مسلمانوں ہی کی طرح انتشار، آپسی عداوت ورنجش اور ایک دوسرے کی مخبری کے انتہائی

مہلک مرض کے شکار ہیں۔ مذکورہ سوال پر غور کرنے سے یہ سچ بھی سامنے آتا ہے کہ قوم کے لیے کام کرنے سے کہیں زیادہ قوم کے لیڈر اپنی شہرت اور اپنے نام ونمود کے خواہاں ہیں اور اگر کوئی ایک قوم کا کام کرتا نظر بھی آتا ہے تو اس کے پیر گھسیٹ لیتے ہیں۔

ہنگامے کی شروعات 17 اکتوبر یعنی بقرعید کے دوسرے روز سے ہوئی تھی۔ ویسے ایک غیر مرئی کشیدگی پہلے سے موجود تھی۔ بقرعید کے مدنظر پولس نے 'گؤکشی' روکنے کے لیے تلاشی مہم شروع کر رکھی تھی۔ واضح رہے کہ ڈابھیل اور اس سے ملحق گاؤں سملک کی آبادی خالص مسلم آبادی ہے۔ اطراف میں پندرہ پندرہ کلومیٹر تک کے گاؤوں میں مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی ہے۔ نوساری شہر میں بھی خاصی تعداد میں مسلمان بستے ہیں۔ 'واپی سے لے کر تاپی تک' کا یہ علاقہ ابتداء سے پرامن رہا ہے۔ ڈابھیل تو امن کا گہوارہ رہا ہے۔ یہ دو ہزار مکانات پر مشتمل ہے۔ گاؤں والے کاشتکار ہیں۔ ان کے ہرے بھرے کھیت ہیں، بہت سے لوگ بیرون ممالک میں مقیم ہیں بالخصوص جنوبی افریقہ، خلیج، یوروپ اور امریکہ وغیرہ میں۔ لوگ خوشحال ہیں۔ تعلیم کے لحاظ سے عصری تعلیم سے لوگ کم مستفیض ہوتے ہیں مگر دینی تعلیم سے ہر گھر کے بچے فیض اٹھاتے ہیں۔ چونکہ یہ مسلمانوں کی اور وہ بھی خوشحال کھاتے پیتے مسلمانوں کی بستی ہے اور یہاں ایک سو دس سالہ قدیم مدرسہ بھی موجود ہے جسے 'دارالعلوم دیوبند، ثانی' سمجھا جاتا ہے اور چونکہ یہاں کبھی کوئی جھگڑا فساد نہیں ہوا ہے، 2002ء میں بھی نہیں اس لیے یہ گاؤں بہت سے متعصب ذہن افراد کی نظروں میں کھٹکتا رہا ہے لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ 17 اکتوبر کو جو ہوا وہ 'منصوبہ بند' اور سوچی سمجھی سازش تھی تو غلط نہیں ہوگا۔ مگر ساتھ ہی اگر یہ بھی کہا جائے کہ یہ سازش گاؤں والوں کی عصری تعلیم کے حصول سے کوتاہی اور حالات حاضرہ

سے ناواقفیت اور آپسی عداوت اور رنجشوں اور نااتفاقیوں کے سبب کامیاب ہوئی تو غلط نہیں ہوگا۔ ڈابھیل والے خوب واقف تھے کہ 'گئو رکشھا' کے علمبردار اور ٹھیکیدار سرگرم ہیں۔ ایک نام ساجن بھرواڑ کا بار بار گاؤں والوں کے سامنے آتا بھی رہا ہے مگر گاؤں والوں نے انتظامیہ اور پولس کے اعلیٰ افسران سے ملاقات کرکے نہ کوئی شکایت کی اور نہ ہی اس خدشے کا اظہار کرکے کہ بقرعید کے موقع پر انہیں 'گئو رکشھا' والے ستا سکتے ہیں اپنے بچاؤ کی کوئی پیش بندی کی۔ 'گائے ذبیحہ' کا شور مچا، پولس نے صبح ہی صبح گاؤں پر چھاپہ مارا اور محمد فقیر حمزہ اور حمید بھائی کلنگ نامی دو افراد کو پکڑ کر جیپ میں بٹھالیا۔ اس کے بعد جو ہوا وہ قابل غور ہے۔ پولس جیپ میں ایک سادہ لباس شخص بیٹھا تھا جس نے وہاں جمع بھیڑ سے جس میں عورتیں بھی تھیں کہا کہ ''اب ان دونوں کی لاش ہی گھر واپس آئے گی''۔ بس کیا تھا ایک اشتعال پیدا ہوا، ہنگامہ شروع ہوا، شور شرابہ سن کر نیند سے جاگتے نوجوان بھی دوڑے اور دوسرے افراد بھی، چار پولس والوں کو دبوچنے کی کوشش کی گئی، پولس نے فائرنگ کی اور دو نوجوان زخمی ہوکر گر پڑے۔ اس کے بعد ڈابھیل پولس والوں کے لیے اسی طرح 'مشق' کا ایک 'تختہ' بن گیا جیسے کہ پستول چلانے والوں کے لیے 'نشانے کا بورڈ'۔

یہ بات بے حد واضح ہے کہ پولس اشتعال پھیلانا چاہتی تھی۔ گائے کے ذبیحے کی افواہ جان بوجھ کر پھیلائی گئی۔ پولس نے عید اور باسی عید کی درمیانی شب چھاپہ مار کر گاؤں میں دہشت پھیلائی اور صبح جب دو لوگوں کو پکڑ کر لے جانے لگی تو ایک ایسے شخص سے جو پولس والا نہیں تھا یہ کہلا کر کہ یہ 'زندہ واپس نہیں آئیں گے' گاؤں والوں کو اکسایا اور ایسے حالات پیدا کیے کہ گاؤں والے پولس والوں پر حملہ کردیں، ایسا ہی ہوا اور پولس نے گولیاں چلادیں،

دونو جوانوں کو زخمی کیا اور اب گرفتاریوں کا ایک سلسلہ جاری ہے۔

جن دونو جوانوں کو پولس کی گولیاں لگی ہیں ان میں سے ایک کا نام محمد سلیم ہے۔ 22 سالہ اس نوجوان کے دو بھائی، دو بہنیں ہیں، والدین ہیں جو گولی لگنے کے سانحہ کے وقت برطانیہ میں تھے، مگر اب ڈابھیل پہنچ چکے ہیں۔ محمد سلیم ڈابھیل میں ہی کھیتی باڑی کا کام سنبھالتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ''صبح کا وقت تھا، شور کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور میں بس گھر کے دروازے سے باہر نکلا ہی تھا کہ پولس کی گولی آئی اور میری بائیں ٹانگ میں جانگھ کے اوپر ہڈی توڑتے ہوئے جا گھسی، میں تو بس آنکھیں مل مل کر یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ شور کیوں ہو رہا ہے''۔ وہ بتاتا ہے کہ اسے گولی پی ایس آئی سونی نے ماری تھی۔ گولی سے زخمی ہونے والے دوسرے نوجوان کا نام عیسیٰ یوسف چنارا ہے، اس کی عمر محض 18 سال ہے۔ یہ سوات کے کوسمبا کے ایک تعلیمی ادارے میں الیکٹرانک انجینئرنگ کے پہلے سال کا طالب علم ہے۔ والدین کے علاوہ اس کے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ نوساری کے یشفین اسپتال میں .....جو مسلمانوں کا ایک شاندار اسپتال ہے۔.....اپنے کھاٹ پر پڑے ہوئے وہ بتاتا ہے کہ ''میں اونچا محلّہ میں رہتا ہوں، اس روز صبح کے وقت میں اپنے خالو کے یہاں دودھ دینے نئی نگری کے محلے میں جا رہا تھا، میں نے وہاں دیکھا کہ پولس کی ایک جیپ کھڑی ہوئی ہے، جیپ کو دیکھ کر میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ بائیں پیر میں پولس کی گولی آ لگی اور میں گر پڑا''۔ عیسیٰ کو بھی پی ایس آئی سونی نے ہی گولی ماری تھی۔ عیسیٰ کے 22 سالہ بھائی زکریا کو پولس گرفتار کر کے لے جا چکی ہے۔ عیسیٰ اور زکریا کی والدہ امینہ بتاتی ہیں کہ ''زکریا پہلے سے کھیت میں تھا، اسے کھیت ہی کے کپڑوں میں ہی پولس یہ کہہ کر لے گئی کہ پوچھ تاچھ کر کے ہم چھوڑ دیں

گے مگر آج تک نہیں چھوڑا ہے، اور میرا عیسیٰ تو عید کی چھٹیوں میں گھر آیا تھا، اس کا امتحان تھا، اب تو اس کا کالج بھی شروع ہو چکا ہے''۔ امینہ مزید بتاتی ہیں کہ ''پولس والے آئے دن کومبنگ کے لیے آدھمکتے ہیں، بہت ڈر لگتا ہے''۔

پولس کی گرفتاری کا انداز یا طریقہ 'بیجا' ہی کہلائے گا۔ عبدالقیوم کی گرفتاری کی مثال سے بات واضح ہو جائے گی۔ عبدالقیوم بجنور کے رہنے والے ہیں، ڈابھیل روزی روٹی کے لیے آئے ہیں، ڈرائیور ہیں، ان کی بیوی شہناز بتاتی ہیں کہ ''ہم لوگ سورت اپنے رشتہ داروں کے یہاں گئے ہوئے تھے، ہماری غیر موجودگی میں پولس نے گھر کا تالا توڑا، گھر کی تلاشی لی، جب ہم سورت سے آئے تو تالا ٹوٹا پڑا تھا۔ 16 اکتوبر کو میرے شوہر گھر کو آئے تو پولس انہیں پکڑ کر لے گئی جبکہ ہنگامے والے دن وہ ڈابھیل میں نہیں کام پر تھے''۔

گرفتاریاں ہنوز کیوں ہو رہی ہیں، اس سوال کے جواب میں آشنا گاؤں کے سابق سرپنچ یوسف علی ڈوگرات، جنکا تعلق کانگریس سے ہے، بتاتے ہیں کہ ''یہ سب عداوت اور اختلافات کے سبب ہو رہا ہے' پولس کو نئے نئے نام دیئے جا رہے ہیں، بس دشمنی اور عداوت کے سبب ..... جب ریاض کو کل پولس لے گئی تو اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا کہ ریاض کو کیوں لے جایا جا رہا ہے، بس یہ کہا کہ 'تمہارے ہی لوگوں نے ان کا نام لکھایا ہے، یہ سب سیاست کا کھیل ہے، سچ کہیں دب گیا ہے، ڈابھیل کا سچ صرف یہ ہے کہ کیا بی جے پی والے اور کیا کانگریس والے سب ہی اپنا اپنا مطلب نکال رہے ہیں''۔

کانگریسی لیڈروں کا ایک گروپ ڈابھیل آیا تھا، جو لوگوں کو دلاسہ دے کر اور یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ وکلاء کی ٹیم بنائیں گے مگر بات آگے نہیں بڑھی۔

نوی نگر محلّہ کے مولوی نذیر صاحب اس پر زور دیتے ہیں کہ ''متحد ہوکر کام کرنا ضروری ہے'' اور یہ سچ بھی ہے کیوں کہ پولس نے ایک ایک شخص پر پندرہ سے بیس دفعات کے تحت معاملات درج کیے ہیں تا کہ ضمانت آسانی سے نہ مل سکے۔ اچھے وکیل کی ضرورت ہے۔ اس کام کے لیے جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا سید ارشد مدنی بھی آگے آئے ہیں اور جمعیۃ علماء ہند کے قائد مولانا سید محمود مدنی بھی۔ جمعیۃ کے دونوں دھڑوں نے نہ صرف یہ کہ انتظامیہ اور حکومت پر دباؤ بنایا ہے بلکہ قانونی اقدامات بھی کیے ہیں۔ ڈابھیل کی قدیم جامعہ کے استاد مولانا عثمان غنی ہاشم علی (59 سال) کی ضمانت مولانا محمود مدنی کی کوششوں سے ہی ممکن ہوسکی ہے۔

مولانا عثمان 35 سال سے ڈابھیل کی جامعہ میں مدرس ہیں، عربی زبان کے استاد ہیں۔ جس روز ڈابھیل میں ہنگامہ ہوا تھا وہ کوئی چودہ کلومیٹر دور اپنے گاؤں ٹیلا ڈا میں تھے، ان سے ان کا ایک شاگرد محمود الحسن بشیر شیخ 17 اکتوبر کو ملاقات کے لیے آیا تھا، پولس نے یہ الزام عائد کرکے کہ مولانا عثمان نے اپنے شاگرد کو جو کہ ڈابھیل ہنگامے کا ملزم ہے 'پناہ' دی ہے، انہیں گرفتار کرلیا تھا۔ یہ بات الگ ہے کہ جس روز مولانا عثمان سے ان کا شاگرد ملاقات کے لیے آیا تھا اس روز اس کا نام 'ملزمین' کی فہرست میں نہیں تھا لہذا یہ الزام کہ مولانا عثمان نے اسے پناہ دی ہے، بے بنیاد ہوجاتا ہے۔

پولس تردید کررہی ہے کہ وہ ڈابھیل کے مسلمانوں کو ہراساں کررہی ہے۔ نوساری کے ایس پی نیلیش جاجڑیا سے جب میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے بڑے ہی صاف لفظوں میں کہا کہ ''ہم صرف انہیں ہی گرفتار کررہے ہیں جنہوں نے پولس پر حملہ کیا تھا اور تفتیش کے

بعد ان کی مزید گرفتاریاں ہوں گی جو ملوث ہیں، کسی بھی قصوروار کو میں چھوڑوں گا نہیں، پیچھے پڑا رہوں گا چاہے سال دو سال لگ جائے''۔ وہ کہتے ہیں کہ ''میں کسی کو حاضر بھی نہیں کرا رہا ہوں بلکہ میری پولس خود جا کر لوگوں کو گرفتار کر رہی ہے''۔ وہ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ''ہم نے گرفتاری کے بعد جو بے قصور پائے گئے انہیں چھوڑا بھی ہے، اور جہاں تک عورتوں کی گرفتاری کی بات ہے تو یہ وہ عورتیں ہیں جو پولس سے مار پیٹ والے ہجوم میں شامل تھیں، ہم نے کسی کو ہراساں نہیں کیا، ہراساں اگر کریں گے تو کوئی گاؤں میں کیا رہ سکے گا''؟

ایس پی کے اس سوال کا جواب کوئی کیا دے!

پولس کو راتوں کو گاؤں میں گھستی ہے، لیڈیز پولس کی غیر موجودگی میں عورتوں کو گرفتار کرتی ہے، کھانے میں مٹی کا تیل انڈیلتی ہے، کسی کو دیکھ کر 'پکڑو پکڑو' چلاتی ہے اور جب وہ بھاگتا ہے تو دوڑ کر پکڑ لیتی ہے، پولس کا اعلیٰ افسر کہتا ہے کہ اگر میں ہوتا تو سینے پر گولیاں چلاتا، دھمکی دی جاتی ہے کہ کھیتیاں جلا دیں گے، کاروبار تباہ کر دیں گے، سب عورتوں کو جیل کے حوالے کر دیں گے، پھر بھی دعویٰ کہ ہراساں نہیں کرتے! یہ ہراساں کرنا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

بہر حال ڈابھیل ایک نشانہ ہے، مسلمانوں کو خوف و دہشت میں مبتلا کر کے بے بس کرنے کا ایک منصوبہ ہے جس پر عمل ہو رہا ہے۔ اگر مسلم جماعتیں، تنظیمیں نہ جاگیں اور ڈابھیل کے لوگ متحد نہ ہوئے تو یہ منصوبہ مکمل طور پر نہ صرف کامیاب ہوگا بلکہ سارے ملک میں ہر جگہ اسے عملی جامہ پہنایا جائے گا۔

☆☆☆

زبان و ادب

جرمن شاعر وولف گانگ گوئٹے کی نظم 'نغمۂ محمدی' (ﷺ)

کے تین تراجم: ایک تجزیہ

خان حسنین عاقبؔ

علامہ اقبال ٹیچرس کالونی، مومن پورہ، پوسد

جان وولف گانگ گوئٹے GOETHE, JOHANN WOLFGANG ۱۷۴۸ء میں جرمنی کے شہر فرینکفرٹ میں پیدا ہوا اس نے اہل علم کے خاندان میں آنکھیں کھولیں وہ یوں کہ اس کا باپ پیشے کے اعتبار سے وکیل تھا اور اس کی ماں حاکمِ شہر کی بیٹی تھی۔ گوئٹے جرمن ادب کا سب سے عظیم شاعر مانا جاتا ہے۔ ابتداء ہی سے، بلکہ اپنی نوجوانی ہی سے گوئٹے کو اسلام اور مشرق سے بے حد دلچسپی تھی۔ اسی لئے اس نے عربی زبان بھی سیکھی تھی۔ گوئٹے کے خیال میں نئی ثقافتوں کی دریافت کے لئے ادب اور مذہب سے زیادہ کارآمد کوئی اور ذرائع نہیں ہو سکتے اس لئے اس نے مشرقی ادب میں رومیؔ اور حافظؔ کی شاعری کا اور ساتھ ہی ساتھ مذاہب کے ذیل میں زرتشت کی تعلیمات اور دینِ اسلام کا مطالعہ کیا۔ مشرق اور اسلام سے گوئٹے کی دل چسپی اور مطالعہ کا دورانیہ ۱۸۱۴ء سے ۱۸۲۷ء عیسوی تک محیط ہے۔ گوئٹے کی معرکۃ الآراء کتاب 'دیوانِ مغرب' جس کا جرمن نام West-östlicherDivan ہے، اسے جرمن۔ فارسی عہد کا ایک آغاز ہی کہا جا سکے گا

جس کی ابتداء ۱۸۱۴ میں ہوئی جب اسے دیوانِ حافظؔ کی جرمن زبان میں آسٹریائی مستشرق جوزف وون ہیمار پرگستال کی ترجمہ کردہ دو جلدیں موصول ہوئیں۔ جوزف کے تراجم اور تبصروں نے جرمن عوام کی دلچسپی مشرق کے مطالعہ میں بڑھانے میں بے حد اہم کردار ادا کیا۔ دیوانِ حافظ کے مطالعے نے جہاں ایک جانب گوئٹے کے جوش میں اضافہ کیا وہیں اس نے مشرق کے ساتھ فکری transaction and dialogues کی راہیں بھی ہموار کیں۔ گوئٹے نے اپنی اس کتاب کے کئی عنوانات بدلے لیکن ہر عنوان میں اس نے لفظ 'دیوان' برقرار رکھا، یہ اس کی علمیت اور شخصیت پر حافظؔ کے اثرات کا عکاس ہے۔ اس دیوان میں سو نظمیں ہیں جو جرمن زبان میں لکھی گئی ہیں کہ یہی گوئٹے کی مادری اور تخلیقی زبان تھی۔ گوئٹے کے اس دیوان کو مشرق و مغرب کے ادب کا حسین امتزاج کہا جاتا ہے۔ اس کتاب میں کئی ابواب شامل ہیں اور ہر باب کے لئے فارسی اور جرمن، دونوں زبانوں میں متبادلات دئے گئے ہیں۔ زیرِ مطالعہ نظم 'نغمہ محمدیؐ' گوئٹے کی شہرۂ آفاق نظم ہے جس نے ایک زمانے کو متاثر کیا۔ چونکہ گوئٹے کو جرمنی کے قومی شاعر جیسی اہمیت حاصل تھی، اور اسے سارے عالم میں بڑی قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اس لئے اس کی اس نظم نے ایک بڑے طبقے کو اپنے دامِ اثر میں لے لیا۔ اس نظم کے کئی زبانوں میں تراجم ہوئے۔ یہ نظم گوئٹے نے غالباً ۱۷۷۲ یا ۱۷۷۳ میں لکھی تھی جو سب سے پہلے Göttinger Musenalmanach میں ۱۷۷۴ میں شائع ہوئی تھی۔ اس نظم میں ایک نابغۂ روزگار شخصیت، حضرت محمد ﷺ کے لئے ایک 'جوئے آب' کی علامت اور استعارہ استعمال کیا گیا ہے جسے دھیرے دھیرے ایک عظیم دریا کی شکل اختیار کرتے دکھایا گیا ہے۔ یہ نظم دراصل آپؐ کی سیرت پر گوئٹے

کے ایک غیر مطبوعہ ڈرامے کا حصہ تھی جسے پلے کرنے کا اس کا ارادہ تھا۔لیکن وہ ڈرامہ اسٹیج ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، نظم نے ضرور گوئٹے کے اخلاص کو شرفِ قبولیت بخش دیا۔اور اسے نہ صرف یہ کہ عالمگیر شہرت عطا کر دی بلکہ اگلے وقت میں اسے عموماً مشرق اور خصوصاً علامہ اقبالؔ سے نزدیک کر دیا۔ وولف گانگ گوئٹے جرمنی کا وہ عظیم شاعر ہے جس کی تصنیف 'پیغامِ مغرب' کے مطالعے نے اقبالؔ کو غور وفکر پر مجبور کیا اور پھر جواباً اقبالؔ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب 'پیامِ مشرق' تخلیق کی۔اقبال نے گوئٹے کی نظم 'Mohamet's Gesang' کا آزاد ترجمہ بعنوان 'جوئے آب' کیا ہے۔ پھر دوسرا ترجمہ اردو میں شان الحق حقّی نے کیا ہے۔لیکن اس سے پہلے ہم آپ کو انگریزی میں لیسلی نورِس کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں تا کہ آپ اس شہرۂ آفاق نظم کا لطف تین زبانوں میں لے سکیں۔سب سے پہلے اس نظم کا انگریزی ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔جو مشہور عالمی شخصیت لیسلی نورِس نے کیا ہے۔ یہ انگریزی ترجمہ میں نے انگریزی میں اس نظم کے بہت سے اچھے تراجم میں سے منتخب کیا ہے۔میں ان تینوں زبانوں میں اس نظم کے ترجمہ کو اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ نظم کا موضوع ہمارے لئے جتنا اہم ہے، اتنی ہی اہم بات یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ تین مختلف زبانوں کے معنوی ابعاد کے باوجود وہ روانی، اور خیالات کا وہ تسلسل جو اصل جرمن نظم کا خاصہ ہے، وہ ان تراجم میں پایا جاتا ہے یا نہیں۔

Mahomet's Son

Leslie Norris

See the mountain spring

Sparkle with joy,

Like the light of stars!

Above the clouds

Generous spirits

Nourished his freshets

In thickets among crags

Brisk with young vigor

From the clouds he dances

Down to marble boulders,

Exultant, he leaps again

Up toward heaven

Through gaps between peaks

He rolls his bright pebbles,

And with a leader's strides

Carries his sibling streams

Onwards and downwards.

And then, in the valley,

Flowers blaze in his footsteps,

And the green fields breathe

With the life of his breath

No dark valley can hold him,

Nor can flowers

Bent at his knees

Contain him with adoring glances;

He bursts his way to the flat land

Like a snake uncoiling.

Little streams nestle,

Flocking to his side; and now

He enters, glittering,

Into his meadows

And the land shines with his light,

The lowland rivers

The mountain brooks

Cheer for him, shouting: Brother,

Brother, take us with you,

Take us to your ancient Father,

To the everlasting ocean,

Who waits for us

With open arms;

Open, alas, in vain

To embrace his eager ones:

For in the avid desert

Dry sand eats us,

The sun above us

Will suck our blood, a hill

Dams us to a pond! Brother,

Take your lowland brothers with you,

Take your brothers from the mountains

With you, with you, to your father!

Come, all of you!

Majestically

He rises; a noble family,

They bear aloft this royal lord,

And on he rolls, triumphant,

Naming whole countries, the cities

Which come to life at his feet.

Unstoppable now, he rides in thunder,

Leaving behind him turrets tipped

With flame, marble palaces,

Evidence of his abundance

Like Atlas, he carries great ships

On his giant shoulders. The flutter

Of a thousand whistling sails

Testify to his might and majesty.

So he carries his brothers,

His children, his treasures,

In roaring tides of joy

To their father's waiting heart

انگریزی زبان میں یہ ترجمہ ایک نئے فکری زاویہ کو دعوت دیتا ہے۔ اس ترجمہ نے اپنی حتی الامکان کوشش کی ہے کہ وہ اصل سے قریب تر ہو جائے اور لیسلی نورِس کافی حد تک اس میں کامیاب بھی رہے ہیں۔

اب اس مشہور ترجمہ کی طرف آیئے جسے ایک عالمی شاہکار کا درجہ حاصل ہوا۔ یہ ترجمہ علامہ محمد اقبالؔ نے کیا ہے، جو آزاد ترجمے کی بہترین مثال ہے۔ یہ ترجمہ پیامِ مشرق

میں 'جوئے آب' کے عنوان سے شامل ہے۔

جوئے آب

از: علامہ اقبال

بنگر کہ جوئے آب چہ مستانہ می رود
مانندِ کہکشاں بہ گریبانِ مرغزار
درخواب ناز بود بہ گہوارۂ سحاب
وا کرد چشمِ شوق بہ آغوشِ کوہسار
از سنگریزہ نغمہ گشاید خرامِ او
سیمائے او چو آئینہ بے رنگ، بے غبار
زی بحرِ بے کرانہ چہ مستانہ می رود
درخود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود
درراہِ او، بہار پری خانہ آفرید
نرگس دمید و لالہ دمید و سمن دمید
گُل عِشوہ داد و گفت یکی پیش ما باست
خندید غنچہ و سرِ دامانِ او کشید
نا آشنائی جلوہ فروشانِ سبز پوش
صحرا برید و سینۂ کوہ و کمر درید
زی بحرِ بے کرانہ چہ مستانہ می رود

درخود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

صد جوئے دشت و مرغ و کہستان و باغ و راغ

گفتند اے بسیط زمیں با تو سازگار

مارا کہ راہ از تنک آبی نبردہ ایم

از دست بُرد ریگِ بیاباں نگاہ دار

وا کردہ سینہ را بہ ہوا ہائے شرق و غرب

در بر گرفتہ ہمسفراں زبون و زار

زی بحرِ بے کرانہ چہ مستانہ می رود

درخود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

دریائے پُر خروش زِ بند و شکن گذشت

از تنگنائے وادیٔ کوہ و دَمن گذشت

یکساں چوں سیل، کردہ نشیب و فراز را

از کاخ و بارہ و کشت و چمن گذشت

بیتاب و تند و تیز و جگر سوز و بے قرار

در ہر زماں بہ تازہ رسید از کہن گذشت

زی بحرِ بے کرانہ چہ مستانہ می رود

درخود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

اقبالؔ کے اس ترجمہ کے بعد اردو میں کافی عرصہ بعد شان الحق حقّیؔ نے رواں آزاد

نظم میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ نظم بھی حقی صاحب کی دو زبانوں کے فطری بعد کو دور کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔

'نغمۂ محمدیؐ'

اردو ترجمہ از شان الحق حقی

وہ پاکیزہ چشم
جو، اوجِ فلک سے چٹانوں پر اُترا
درخشاں ستاروں کی تھی جوت جس کے بدن میں
سحابوں سے اوپر، بلند آسماں میں پُر افشاں ملائک کی
چشمِ نگہدار کے سائے سائے
چٹانوں کے آغوش میں عہدِ برنائی تک جوئے جولاں بنا
چٹانوں سے نیچے تھے اترے
وہ کتنے رنگا رنگ انگھر، خزب ریزے
دامانِ شفقت میں اپنے سمیٹے
بہت سے سسکتے ہوئے، رینگتے ہوئے، سست، کم مایہ سوتوں کو
چونکاتا، للکارتا، ساتھ لیتا ہوا خوش خراماں چلا
بے نمو وادیاں جاگ اٹھیں، لہلہانے لگیں
جس طرف اس کا رُخ پھر گیا
اس کے فیضِ قدم سے بہار آ گئی

اس کے آگے ابھی اور صحرا بھی تھے
خشک لہریں بھی تھیں، اترے دریا بھی تھے
سب اسی سیلِ جاں بخش کے منتظر
جوق در جوق پاس اس کے آنے لگے
شورِ آمد کا اس کی اُٹھانے لگے
راہ بر ساتھ ہم کو بھی لیتے چلو
کب سے تھیں پستیاں ہم کو جکڑے ہوئے
راہ روکے ہوئے، پاؤں پکڑے ہوئے
یاد آتا ہے مَسکن پرانا ہمیں
آسمانوں کی جانب ہے جانا ہمیں
ورنہ یوں ہی نشیبوں میں دھنس جائیں گے
جال میں اُن زمینوں کے پھنس جائیں گے
اپنے خالق کی آواز کانوں میں ہے۔
اپنی منزل وہی آسمانوں میں ہے۔
گرد آلود ہیں، پاک کردے ہمیں
آ! ہم آغوشِ افلاک کردے ہمیں
وہ رواں ہے، رواں ہے رواں اب بھی ہے
ساتھ ساتھ اس کے اک کارواں ایسا بھی ہے۔

شہر آتے رہے، شہر جاتے رہے
اس کے دم سے سبھی فیض پاتے رہے
اُس کے ہر موڑ پر ایک دنیا نئی
ہر قدم پر طلوع ایک فردا نئی
قصر اُبھرا کئے، خواب ہوتے گئے
شاہ اور شاہیاں خواب ہوتی گئیں
عظمتیں کتنی نایاب ہوتی گئیں
ہے وہ رحمت کا دھارا مسلسل روا
از فلک تا زمیں
از زمیں تا فلک
از ازل تا ابد، جاوداں، بے کراں
دشت و در گلشن و گُل سے بے واسطہ
فیضیاب اس سے
اور خود، گل سے بے واسطہ۔

یہاں تک تو ایک شہرۂ آفاق تخلیق کے تین مختلف زبانوں میں تراجم ہم نے پیش کئے ہیں تا کہ آپ اس نظم کی تین مختلف ثقافتی اور ادبی جہتوں سے متعارف ہوسکیں۔ ہم اس معاملے میں آپ کو غور و فکر کے لئے آزاد چھوڑتے ہوئے اپنی جانب سے کسی رائے کا اظہار نہیں کرنا چاہتے۔ یہ کام آپ خود کریں اور اگر مناسب محسوس کریں تو اس موضوع پر مکالمہ

قائم کریں تاکہ لکیر پر لکیر پیٹنے والی ذہنیت سے بچا جا سکے اور ادب میں نئے رویوں کو فروغ دیتے ہوئے تحقیق کو نئی سمتوں سے متعارف کروایا جا سکے۔

☆☆☆

منابع:

۱۔ پیامِ مشرق: علامہ اقبال۔ اقبال اکیڈمی۔ پاکستان۔

۲۔ قندِ پارسی۔ رایزنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران۔ نئی دہلی۔ شمارہ۔۹۱۔ ستمبر۔دسمبر ۲۰۰۲۔۳۔ عالمی نعتیہ انتخاب۔ اطیب اعجاز۔ حیدرآباد۔

1. Oxford Companion to German literature.

2. Wikisource.

3.A Leslie Norris Translation of Selected Poems by Johann Wolfgang von Goethe : Leslie Norris and Alan F. Keele



تعارف

تلاوتِ قرآن کے فضائل ومسائل

مؤلفہ مولانا ندیم احمد انصاری



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على سيد المرسلين، امابعد:

اس وقت میرے سامنے حضرت مولانا ندیم احمد انصاری صاحب کی کتاب ''قرآن کریم کی تلاوت کے فضائل ومسائل'' ہے۔اس کتاب کو میں نے شروع سے آخر تک دیکھا ہے۔کتاب بیحد پسند آئی۔یہ کتاب ویسے تو ایک عام موضوع پر لکھی ہوئی ہے لیکن اس کتاب کو جو چیز اس موضوع کی دوسری کتابوں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ اس کا مختصر اور حوالے سے مزین ہونا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے متعلقہ موضوع پر خاص کر قران وحدیث کا مکمل طور پر مطالعہ کیا اور پھر متعلقہ آیات واحادیث کو مختلف عناوین کے تحت انتہائی سلیقے سے جمع کر دیا ہے۔حوالے کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ قران کریم کے ترجمے تک کا حوالہ دیا ہے اور فقہاء واکابر کی تشریحات وآراء کو بھی مکمل حوالے کے ساتھ کتاب کے ایڈیشن اور کتب خانے تک کے نام کے ساتھ لکھا ہے تاکہ اگر کسی عبارت کے بارے کسی کو تحقیق کرنی ہو تو با آسانی مراجعت کر سکے۔

یہ کتاب اگرچہ(A-4 size میں) صرف پینتیس صفحات پر مشتمل ہے لیکن اس کے اندر موضوع سے متعلق اتنا مواد جمع ہے کہ شاید اس کے لیے کئی کتابوں کی مراجعت کرنی پڑتی۔ساتھ ہی اتنے اہم ذیلی عناوین ہر عنوان کے تحت موجود ہیں کہ موضوع کا ہر ہر گوشہ مکمل طور پر واضح ہو گیا ہے مثال کے طور پر تلاوت کے تحت انھوں نے لکھا ہے تلاوت: جہرا یا وسرا، تلاوت کے لیے پسندیدہ وقت، کثرت تلاوت کی فضیلت، بغیر دیکھے تلاوت کی فضلیت، دیکھ کر تلا وت کی فضیلت،تلاوت کے لئے مستحب اوقات کی درجہ بندی وغیرہ

وغیرہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج جب کہ لوگ موٹی موٹی کتابوں کو دیکھ کر نفسیاتی طور پر پہلے ہی مریض بن جاتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے بھی یہ کتاب دلچسپی کا باعث ہوگی نیز مراجع ومصادر سے مزین ہونے کی وجہ سے جہاں علما کے لئے بے حد مفید ثابت ہوگی وہیں عوام اور خصوصاً حفاظ کرام کے لئے بھی بہت مفید رہے گی۔ ساتھ ہی حفظ و ناظرہ کے طلبہ کو انعام وغیرہ کے طور پر دینے کے لئے بھی کافی اچھی رہے گی تاکہ قران کریم کی تلاوت کے فضائل کو پڑھ کر ان کے اندر پڑھائی کے شوق وجذبہ میں اضافہ ہو اور آدابِ تلات سے آشنا ہو کر وہ ان آداب کی رعایت مکمل طور پر کرسکیں۔

حضرت مولانا ندیم احمد انصاری صاحب؛ جن کے اور بھی بہت سی کتابیں مختلف موضوعات پر شایع ہو چکے ہیں اور ہندوستان بھر کے مختلف اخبار ورسائل میں ان کے مضامیں شایع ہوتے رہتے ہیں، وہ ایک خاص ذوق کے مالک ہیں۔ ان کی تحریر سادگی اور معتبر ومستند حوالے کی وجہ سے مقبول خاص وعام ہے۔ باری تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عمر کو عافیت کے ساتھ دراز کرے اور اس کتاب کے ساتھ ساتھ ان کی دیگر علمی خدمات کو بھی قبول فرمائے اور امت کے لئے مفید سے مفید تر بنائے۔ آمین

جسیم الدین قاسمی

مفتی واستاذ، مرکز المعارف، جوگیشوری، ممبئی

(۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ء)

مناجات

مولانا ندیم احمد انصاری

کہاں جاؤں ترے در کے سوا اب کون ہے میرا
اکیلا ہوں جہاں میں، ہر طرف تیرا ہے یا میرا

بہت تاریک دنیا ہے، ہوس کی ایک بستی ہے
تبھی ہر سُو جہاں دیکھو محبت کو ترستی ہے

نہیں معلوم مجھ کو اب کوئی موقع بھی ہے باقی
نہ میرے ہاتھ کوئی ساغر و مینا، نہ ہے ساقی

الٰہی تیرا در ایسا ہے بس سارے جہانوں میں
نہیں بنتا، نہیں بنتا، یہ انساں کارخانوں میں

بدل دے میرے مولا اس گُنہگاروں کی بستی کو
جہنم سے دے آزادی ترے عاملؔ کی ہستی کو

الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن انڈیا

website: www.afif.in

مجلسِ سرپرستان

حضرت مولانا مفتی محمد اسلام صاحب قاسمی دام مجدہ

محدّث وصدر شعبۂ عربی ادب دارالعلوم دیوبند (وقف)

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دام مجدہ

جنرل سکریٹری فقہ اکیڈمی، انڈیا و ناظم المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد

حضرت مولانا مفتی محمود عالم صاحب مظاہری دام مجدہ

مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (وقف)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب فتحپوری دام مجدہ

مفتیٔ اعظم مہاراشٹر

بانی و صدر

حضرت مولانا ندیم احمد انصاری صاحب حفظہ اللہ

ایم اے، جرنلسٹ

ندائے محمدی

محرم الحرام (۳۵)- تا- جمادی الاول (۳۶)

مطابق نومبر (۱۴)- تا- مارچ (۱۵)



www.afif.in

مدیر

مولانا ندیم احمد انصاری حفظہ اللہ

باہتمام

الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن انڈیا